مخصوص کارڈ ۔

مصنف ،، ۔ حسن نظامی ۔

عنوان ،، ۔

ترتیب ،، ۔

خطوط نویسی ۔

Cut by [illegible]

یامعین	هوالکل

اتالیقِ خطوط نویسی

یعنی

ائل "اُستانی کی عینک" اور "نامی مسلمانوں کے خطوط" اور

خطوطِ حسن نظامی کا ایک جگہ مجموعہ

مُرتّبہ

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی

نومبر سنہ ۱۹۲۹ء میں

چوتھی مرتبہ حلقۂ مشائخ بکڈپو دہلی نے شائع کیا

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

فیجلد عہ

خطوطِ اکبر

لسان العصر حضرت مولٰنا سیّد اکبر حسین الٰہ آبادی

کے مشہور خطوط حضرت خواجہ حسن نظامی کے نام

قیمت عہ

مکاتیبِ اکبر

حضرت اکبر الٰہ آبادی کے اعلےٰ خطوط

بنام

مولینا عبدالماجد فلسفی شاہ بی۔ اے دریا آبادی

قیمت ایک روپیہ (عہ)

ملنے کا پتہ:۔ کارکُن حلقۂ مشائخ بکڈپو دہلی

یامعین

ھو الکل

استانی کی عینک

یعنی اتالیق خطوط نویسی کا پہلا حصہ

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں نے اس کتاب میں جو خط جمع کئے ہیں انکی عبارت اور مضمون اتنا صاف ہے جس کو تم فرفر پڑھتے چلے جاؤ گے۔ کہیں تو تم کو نصیحت کی باتیں نظر آئیں گی۔ کہیں ہنسی کی چٹکیاں اور گدگدیاں دیکھو گے۔ اس سے تمہارا جی کتاب میں لگ جائے گا۔ اور تم خوشی خوشی اس کو پڑھو گے اور پڑھ چکو گے تو اسی طرح کے خط لکھنے کی امنگ پیدا ہو گی اس کا نام میں نے اتالیق خطوط نویسی رکھا ہے۔ جن بچوں کو اردو کی ذرا بھی شدھ بدھ ہے وہ اس کتاب کو دو چار دفعہ پڑھ جائیں تو مجھے یقین ہے کہ ان کو خط لکھنا آجائیگا۔

خط لکھنے کے طریقے

دیکھو! اس کا خیال رکھنا کہ جب کسی کو خط لکھنے بیٹھو تو پہلے کاغذ کی پیشانی پر بسم اللہ یا اس کے عدد ۷۸۶ لکھنا۔ اس کے بعد جس مقام پر یہ خط لکھنا شروع کیا ہے اس کا نام ضلع اور ڈاکخانہ کے ساتھ تحریر کرنا۔ پھر اس کے نیچے تاریخ اور سنہ درج کرنا جب یہ لکھ چکو تو چھوٹا سا القاب آداب لکھ کر مطلب کی بات شروع کر دینا۔ "یہاں خیریت اور آپ کی خیریت مطلوب" لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ذرا غور سے دیکھو چند خطوط کا نمونہ تم کو بتاتا ہوں۔

۷۸۶

از بمبئی تاج محل ہوٹل

۲۷ر جنوری ۱۹۱۹ء

بیوی صاحب! سلام علیکم۔

میں خدا کے فضل سے آج دوپہر کو بمبئی پہنچ گیا۔ تاج محل ہوٹل میں ٹھہرا ہوں۔ جہاز پرسوں روانہ ہوگا۔

اس وقت تک میری صحت اچھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم سب لوگ بھی اچھے ہو گئے اور تمہارا خط حسب وعدہ مجھ کو عدن میں ملے گا۔

راقم تمہارا وفادار شوہر

قاسم

۷۸۶

دہلی ترا ہا بہرام خاں

۲۹ر جنوری ۱۹۱۶ء

صاحب! وعلیکم السلام

آپ کا بمبئی والا خط مجھ کو اس وقت ملا۔ جبکہ میں عدن کا خط تیار کر چکی تھی مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ تندرستی کے ساتھ بمبئی گئے۔ خدا کی مہربانی سے امید ہے کہ آپ کو اس نے جہاز میں بھی آرام سے رکھا ہوگا۔ مگر اپنے بشری دل کو کیا کروں کہ وہ طرح طرح کے وہم سامنے لاتا ہے۔ خبر نہیں سمندر کی کیا حالت ہے۔ آپ کو چکر تو نہیں آئے

راقمہ تصور میں ہر وقت آپ کے ساتھ

سلمہ

۷۸۶

لندن

یکم مارچ ۱۹۱۶ء

میاں ہاشم! جیتے رہو۔ تم نے اپنی ماں کے خط میں اپنے ہاتھ کا جو پرچہ رکھا تھا مجھے مل گیا۔ اور مجھے اس کے دیکھنے سے بہت خوشی ہوئی۔ اسکول ناغہ نہ کرنا اور

اپنی ماں کے کہنے پر چلنا

راقم تمہارا یاد کرنے والا

قاسم

۸۶؎

دہلی تراہا بہرام خاں
۱۲ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء

ابا جی! آداب

پہلی مارچ کا لکھا ہوا خط ملا۔ میرا دل اس کو دیکھہ کر باغ باغ ہو گیا۔ ابا میں اسکول برابر جاتا ہوں اور اماں جی کے کہنے پر چلتا ہوں۔ راقم اپنے ابا کا لاڈلا

ہاشم

۸۶؎

لکھنؤ قیصر باغ۔ یکم فروری سنہ ۱۹۱۶ء

آپا جی سلام۔ تم خط نہ لکھو۔ جی کو ترساؤ! اور الزام مجھپر رکھو کہ خط نہیں لکھتی مجھے اسکول سے فرصت کہاں ملتی ہے۔ ابا حضرت گونڈہ سے ابھی نہیں آئے۔ اماں جی اچھی طرح ہیں۔ تم کو دعا کہتی ہیں۔ دولہا بھائی کو آداب کہنا۔ راقمہ تمہاری سکینہ

۸۶؎

علی گڑھ بالائے قلعہ۔ ۸ فروری سنہ ۱۹۱۶ء

میری بہنا! شاد رہو۔ آباد رہو۔

پہلی فروری کا لکھا ہوا تمہارا خط تیسری کو مل گیا تھا۔ مگر تمہارے دولہا بھائی دورے میں تھے۔ اور ان کے خانگی کام بھی مجھہ ہی کو کرنے پڑتے تھے۔ اس وجہ سے دیر ہوئی۔ ہاں بہن سچ کہتی ہو۔ مجھے خط لکھنے کی بہت کم فرصت ملتی ہے۔ جب تم گھر بار کی بنوگی تو قدر جانوگی کہ عورتوں کو خانہ داری کے کتنے کام کرنے پڑتے ہیں۔ یوں ہونے کو بہت سی آرام طلب ایسی بھی ہیں جو کچھہ کام نہیں کرتیں اور پلنگ پر بیٹھی نوکروں پر حکم چلایا کرتی ہیں۔ مگر پھر ان کے گھر میں بھی ایسی ابتری ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ میں سب کام خود

دیکھتی ہوں۔ نوکروں پر بھروسہ نہیں کرتی۔ ابا حضرت تشریف لائیں تو میرا آداب کہنا۔ اور اماں بیوی کو تسلیمات۔
راقمہ تمہاری چاہنے والی۔ رقیہ

۶۸۶

اٹاوہ اسلامیہ ہائی اسکول۔ ۱۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

بھائی صاحب بالتسلیم

اب میرے بخار کو آرام ہے۔ دوا برابر پیتا ہوں۔ اور روپیہ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ یہ دس روپے کافی ہیں۔

راقم آپ کا خورد
نعیم اللہ

۶۸۶

پانی پت محلہ انصاریان ۱۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

میرے بازو کی قوت سلامت رہو۔ تمہارا خط مورخہ ۱۰ر اکتوبر آج گیارہ کو وصول ہوا۔ اس سے خوشی ہوئی کہ تم کو اب آرام ہے۔ دوا کچھ دن اور پیو اور پرہیز کرتے رہو۔ بالکل اچھے ہو جاؤ گے۔

شاباش یہ تمہاری بڑی لیاقت ہے کہ تم نے اور خرچ نہ مانگا۔ طالب علم کو کفایت شعاری پر ہر وقت قایم رہنا چاہیئے۔ والسلام
دعاگو سلیم اللہ

یہ فرضی خطوط کے نمونے اس وجہ سے لکھے گئے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کا ڈھنگ سیکھ جاؤ۔ اس کو سمجھ لوگے تو تم کو خط و کتابت کرنے میں آسانی ہوگی۔ اگرچہ میرے خطوط کے پڑھنے ہی سے تم کو مہارت ہو سکتی ہے۔ لیکن میں نے احتیاطاً یہ نمونے بھی اور بڑھا دیئے۔

راقم
حسن نظامی

مقام رین بسیرا۔ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہیٰ رحمۃ اللہ علیہ۔ دہلی۔ ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۱۶ء

حسن نظامی کے عہدِ طفلی کا نمونہ تحریر

یہ نمونے آج سے ۴۲ برس پہلے کے ہیں۔ اس خط کی املا اور طرزِ خطاب کو پندرہ برس بعد کے نمونہ سے ملا کر دیکھنا چاہیئے جس کی تصویر یعنی بعینہٖ چربہ اس کتاب میں ہے دونوں کا مقابلہ کرنے سے عجیب دلچسپ فرق معلوم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۷۸۶

مکرم و معظم جناب برادر حسن علی شاہ صاحب

آداب آداب کہ ذریعہ سعادت کا جانکر رکھنا معروض خدمت ہوں کہ یہاں پر ہمہ وجود خیریت ہے اور خیر و عافیت آنصاحب کی درگاہ الہی سے ہمیشہ نیک مطلوب ہے نوازشنامہ حضور کا آیا حال معلوم ہوا سیوقت بھائی محمد صادق صاحب جواب لکھا کر روانہ کیا مولوی جمال الدین کا کوئی پارسل نہیں آیا جناب میاں موضامن علی صاحب آج آئے مقدمہ دایر کر دیا ابھی پیشی نہیں ہوئی اور ٹائم پیس محمد عمر چار روپیہ کو اچار کو دیتے ہیں لوں یا نہ لوں فقط الرقوم حسن نظامی

[illegible]

۴۸۶

جناب برادر مکرم و معظم حضرت سید حسن علی شاہ صاحب زید مجدکم

بعد ادائے آداب کے گذارش یہ ہے کہ یہاں پر خیریت ہے اور خیر و عافیت آپ کی درگاہ کریم سے نیک مطلوب ہے۔ مولوی صاحب نے قربانی کے بارہ میں فرمایا کہ تین حصے کرو۔ ایک حصہ فقیروں کو دو۔ اور دو حصے آپ رکھو۔ اور جو چاہو کرو۔ اور کھال چاہے کسی فقیر کو دو۔ چاہے آپ رکھو۔ تب آپ کے فرمانے کے بموجب میر صاحب کے واسطے لے گیا تھا لیکن وہ قطب صاحب گئے ہوئے تھے۔ اس لئے رحمت اللہ کے ہاتھ ہار کو بیچ دی۔ اور دام میر صاحب کو دے دئے۔ اور کبوتر کے بچے اُڑنے لگے۔ اور بچے نکلے ہیں۔ زیادہ حد ادب۔

الراقم علی حسن (یعنی حسن نظامی)　　المرقوم یکم محرم ۱۳۱۲ھ یوم پنجشنبہ

۴۸۶

بخدمت برادر مکرم و معظم سید حسن علی شاہ صاحب زید مجدکم

بعد ادائے آداب کے گذارش یہ ہے کہ یہاں پر خیریت ہے اور خیر و عافیت آنجناب کی درگاہِ الٰہی سے نیک مطلوب۔ عرض یہ ہے کہ جس طرح آپ فرمائیں اسی طرح کیا جائے۔ دریا اب اُتر گیا ہے۔ لیکن کم ہے رک سے بہت پرے ہے۔

۴۸۶

بخدمت برادر مکرم و معظم حضرت سید حسن علی شاہ

بعد ادائے آداب کے گذارش یہ ہے کہ یہاں خیریت ہے اور خیر و عافیت آنجناب کی درگاہِ الٰہی سے نیک مطلوب ہے۔ عرض یہ ہے کہ خط آپ کا مرقومہ ۱۰ صفر کا آج ۱۱ صفر کو وصول ہوا۔ حال معلوم ہوا۔ کل غلام حسن خاں آئے تھے۔ اور میں نے بہت کہا لیکن نہیں رہے۔ صبح کے وقت آئے تھے۔ بہت کہا کہ کھانا کھا کر جائیے گا۔ لیکن نہ رہے۔ عبد السلام کے بیٹے ساتھ تھے۔ لیکن میں ان کا نام نہیں جانتا۔ اور ایک لڑکا تھا

عرصہ سات آٹھ روز کا ہوا کہ محبوب خاں آئے تھے۔ لیکن میں نہیں تھا۔ بھائی محمد صادق
حسین بروز سہ شنبہ آگئے ہیں۔ اور برسی والد کے واسطے خرچ کی ضرورت ہوگی۔
لے آؤں گا۔ جب پارسل روانہ کروں گا۔ تو اس میں خط رکھوں گا۔ چچی اماں
سے دریافت کر کر کہ کب ہوگی۔ نقلوں کے واسطے لکھا ہے۔ بھائی محمد صادق کی
تو باری ہے۔ بھائی دلدار علی جائیں گے تو لے جاؤں گا۔ نہیں تو رحمت علی بھی
جائے گا۔ اس کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ اور جوڑا نیا بنے گا۔ ایک جوڑا تو محرم
میں دیا تھا۔ اب اور دیا جائے گا۔ تو نیا بنے گا۔ یہ لکھئے کہ نیا بنے گا یا نہیں دیا
جائے گا۔

المرقوم ۱۵ ر صفر یوم دوشنبہ ۱۳۱۲ھ

۷۸۶

بخدمت برادر مکرم و معظم حضرت سید حسن علی شاہ صاحب زید مجدکم

بعد ادائے آداب کے گذارش یہ ہے کہ یہاں پر خیریت ہے اور خیر و عافیت آنجناب
کی درگاہ الٰہی سے نیک مطلوب۔ عرض یہ ہے کہ خط آپ کا نہیں آیا۔ نہایت فکر ہے
اور آج یہ ہوا کہ تہور علی آج پڑھنے گیا تھا۔ مولوی صاحب تو تھے نہیں۔ وہاں جا کر
دنگا کیا۔ عبد الرحیم نے مارا۔ اور وہ روتا ہوا گھر گیا۔ ظفر علی نے جا کر عبد الرحیم کو
خوب مارا۔ وہ روتا ہوا احمد خاں کے پاس گیا۔ احمد خاں نے ظفر علی کو خوب
مارا۔ آخر ملاپ ہو گیا۔ ماموں ضامن علی دعا کہتے ہیں۔

المرقوم ۸ ر ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

پندرہ برس کے بعد کے خط

۷۸۶

۲۳ مئی ۱۹۰۸ء

یہ ریل کلکتہ جاتی ہے۔ جس میں سوار ہوں۔ تم نے بے انصافی کی ظلم کیا۔ جو میری بات نہ مانی۔ کیسے ناداں اور ناسمجھ آدمی ہو۔ اچھا خیر اب ہمیشہ کے لئے اپنے شوق کو خاک میں ملاتا ہوں۔ مگر دیکھو تم نے میری خاطر ایک دن مٹی میں ملانا گوارا نہ کیا۔

راقم۔ پردیسی۔ دہلی۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۸ء

۷۸۶

کیوں جناب! ان ڈاکخانہ والوں کا کیا علاج جو آپ جیسے بزرگوں کے خط بھی گم کر دیتے ہیں۔ صاحب کیسا کارڈ اور کیسا لفافہ۔ یہاں تو جس دن سے سرکار سدھارے ہیں۔ صفاچٹ میدان ہے۔ سمجھ لیا تھا کہ یا حفیظ کا وظیفہ پڑھنا چاہیئے۔

۹۲

دہلی - ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء

سرکشی کی حد ہو گئی۔ آپ کے بھائی آئے تھے ملے اور میرے پاس ٹھہرے۔ انکو بھی انتظار رہا کہ آتے ہو۔ مجھ کو بھی بھروسہ رہا کہ میرے خط کی تعمیل کرو گے۔ اور آؤ گے۔ سب شکوے طے ہو چکے۔ شکایتیں ختم کر دی گئیں۔ پھر کیا معنی کہ تم نہیں آئے۔ اور مجھ کو دو روز ریل پر حیران پریشان رکھا۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہے۔

۹۲

دہلی۔ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء

صاحب یہ گرمی کا موسم۔ دھوپ۔ لُو۔ کاروبار کی کثرت۔ مگر جی چاہتا ہے کہ سب تکلیفیں دل سے محو کر کے آپ کو خط لکھوں۔

دوسری شب سنا ہے کہ دہلی میں اور بسر ہوئی۔ کاش میں جان سکتا کہ آپ قیام

کریں گے۔ تو درگاہ کے مکان پر نہ آتا۔ افسوس ہوا کہ آپ کو میری عدم موجودگی میں بے آرامی پیش آئی۔

دیکھئے یہ بے خبری ٹھیک نہیں۔ آپ کیوں بھائی کی طرف سے ایسے بے پرواہ ہیں کہ اب تک یہ بھی نہ معلوم کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ پنجاب گرمی کی طپش اور وبائی امراض میں مشہور ہے۔ خدا بچائے آج کل کے سفر سے۔ ہو سکے تو اس نادان ناتجربہ کار کو بلا لو۔

نمونہ تحریر خاص و دستخط حسن نظامی

ابر آتا ہے مگر مینہ نہیں برستا ہے بجلی چمکتی ہے
بادل سرکتا ہے میرے سود جن قطروں سے پیاسی زمین
سیراب ہوتی وہ گھٹا کی چادر سے نیچے نہیں گرتے،
چاندنی روشن دار راتیں آگئیں۔ آجکل آگرہ
کے تاج محل میں بہار ہوگی۔ سفید موتی سا
مقبرہ چاندنی میں دمکتا ہوگا۔
کہاں ہیں وہ لوگ جو آگرہ کی سیر
تاج کی سیر اور جمنا کی لہر بہر دیکھنے
کا ارادہ رکھتے تھے آئیں اور قدرت
خدا کا جلوہ دیکھیں
یہ چاند۔ یہ موسم۔ یہ زمین یہ آسمان
یہ تمام ساز و سامان صرف اسلئے پیدا ہوا ہے کہ
لوگ دیکھیں اور عرفان الہی کی منزلیں
طے کریں۔ انتظار ہے۔ یادگاری ہے۔
طلبگاری ہے کہ کچھ جواب ہی دیا جائے۔ حسن نظامی

۵۵

ریاست ریوان - ۲۳ اگست ۱۹۰۹ء

ننگ سرے شاہ خاموش کو سلام

پورے دو کارڈ وصول ہوئے۔ بنارس سے رسالہ زمانہ ارسال کیا تھا۔ اس کی رسید بھی آئی۔ اول تو خدا کا شکر ہے کہ اس نے کسی بندے کو کارڈ پر تصویر بنانے کا ہنر دیا۔ جس کی بدولت زیارت غائب حاضر ہوگئی۔ اس کے بعد آپ کا احسان مانتا ہوں۔

راقم "مسافر"

۵۶

دہلی۔ ستمبر ۱۹۰۹ء

ایک مضمون "روحوں کی بارش" رسالہ زمانہ کانپور میں بھیج دیا گیا۔ دوسرا "قبر کا سہرا" کل ہی لکھ کر زبان کو دے دیا ہے۔ مگر افسوس وہاں بھی جولائی کا پرچہ تیار ہو چکا تھا۔ اب اگست میں درج ہوگا۔

ایک لفافہ جس میں آپ کے بھائی صاحب کی نظم و نثر اور آپ کا مضمون تھا پہنچا۔ مخزن میں تو اگست تک کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اگست کا پرچہ بھی تیار ہو چکنے کی قریب ہے۔ زمانہ کو پہلے ہی آپ کا مضمون بھیج چکا تھا۔ "شہر خموشاں" اور "اداس بستی" کا عنوان دیکھ کر دل پر بڑا اثر پڑا کیا ہی دردانگیز مضمون تجویز کیا۔ مگر تمہیں ان خیالوں میں نہ پڑنا چاہیے۔ بہرحال اسی عنوان کا تصور باندھ کر میں نے دیکھا کہ تم ایک قبرستان میں کھڑے ہو۔ اور کسی قبر پر پھولوں کا سہرا دیکھ کر غمگین ہو رہے ہو۔ بس پھر کیا تھا۔ ایک مضمون تیار ہوگیا۔[1]

---

[1] چند ہی روز کے بعد یہ خیال اصل واقعہ بن گیا کہ مکتوب الیہ نے اپنے نوجوان بھائی کے مرگ ناگہانی سے غمزدہ ہوئے۔ اور قبرستان میں ایک سہرا لے کر مرقد پر جا پڑے۔ اور شادی کی یادگار میں وہ سہرا چڑھایا۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۰۸ء

۱۸۶

بابا۔ سلام علیکم۔ طیبتم۔ مرادآباد سے لکھا ہوا نامہ پہنچا۔ آپ اس زمانہ میں بھی نامہ نویسی نہیں چھوڑتے۔ جبکہ سارے زمانے نے مجھکو چھوڑ دیا ہے۔ اور میں نے اس کو ترک کر دیا۔ یہ آپ کا ایسا احسان ہے۔ جس کی زیرباری ہمیشہ رہے گی۔

آپ محبت کے حروف سے کبھی میرے لوح دل کو بے نقش نہ دیکھیں گے جس طرح میں نے آپ کو سراپا نوازش و عنایت پایا۔ آپ مجھکو بھی دلی نیازمند پائیں گے۔

صاحب یہ ملک تو بخارستان بن گیا ہے۔ حیران ہیں کہ اس کو چھوڑ کر کہاں جائیں آپ جانتے ہیں کہ میں بچارا تو جلاوطن ہوں۔ اس لئے بخار سے محفوظ ہوں۔ جو لوگ اس ملک میں واقعی رہتے ہیں۔ ان کے بخاروں کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ آپ تعجب کریں گے کہ میں جلاوطن کیونکر ہوں۔ یہ تو علانیہ بات ہے۔ تعجب نہ کیجئے۔ "رہنا" جسکو زندگی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دل بستگی سے مراد ہے۔ میں نے اس ملک سے دل اٹھا لیا۔ تو سمجھ لیجئے کہ گویا میں یہاں نہیں ہوں۔ مگر جناب آفتاب کے سامنے شمع کی روشنی چھپ جاتی ہے۔ سوزش نہیں جاتی۔ دن کے وقت دیکھئے شمع کی روشنی بے نور ہوگی لیکن ذرا اس کی لو کو ہاتھ لگائیے تو آبلہ ڈالدے گی۔ یہی عالم ان لوگوں کا ہے جو دنیا کی اندھیری آگ میں رہتے ہیں۔

آپ نے سنا رمضان اور عید میں صرف ایک دولائی کا پردہ رہ گیا ہے۔ غور سے جھانکئے تو عید کا چہرہ جھلکتا نظر آتا ہے۔ میں نے تو سوچا ہے کہ اس دولائی میں روئی ڈلوا دوں۔ شاید یہ روزن بند ہو جائیں۔ اور ابھی عید کا چہرہ نظر نہ آئے۔

ہاں یہ تو بتائیے آپ کا مزاج کیسا ہے۔ اگلے زمانہ میں پہلے یوں لکھا جاتا تھا کہ یہاں خیریت ہے۔ اور آپ کی خیریت مطلوب۔ اور میں آخر میں مزاج پرسی کرتا ہوں۔

۴۸۶ درگاہ شریف - ۱۸ ر نومبر ۱۹۰۸ء

کئی دن کے بعد آج گھر آیا ہوں۔ خطوں کا انبار سامنے ہے۔ دو دو سطروں میں سب کو لکھ رہا ہوں۔ لیجئے آپ کا بیسنی خط بھی آگیا جس کا دہلی میں انتظار تھا۔ بیسنی اس لئے ہے کہ خوشی اور خفگی دونوں آٹے ملے ہوئے ہیں۔

اچھا صاحب آج کل جو چنے کی روٹی بھی ملجائے تو غنیمت ہے۔ تم بیمار ہو تو میں بھی تندرست نہیں۔ گو ظاہر میں کچھ مرض نہیں۔ مگر ہر موسم کے شروع میں یہ حالت ہو جاتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اب کیسے ہیں۔ کیونکہ عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں ہر حال میں آپ کے اور ان کے لئے اچھی دعا کرتا ہوں۔ دشمنی بھی ہو تو نیک دعا سے پہلو تہی نہ کرنا چاہیئے۔ وہ مسلمان ہی کیا جو ایسا کرے۔ خدا تمہارے اور ان کے بخار کو کھوئے۔ دل کا بخار تو یوں نہیں نکلے گا۔ خیر جسم کا بخار تو جائے۔

۴۸۷ ۱۳ ر دسمبر ۱۹۰۸ء

آج بہت راہ دیکھنے اور غصہ آجانے کے بعد آپ کا خط آیا۔ بھائی تولیہ گیا بلا سے مگر وہ چیزیں گم نہ ہوتیں۔ مجھ غریب کا قدم اس جگہ بھی منحوس ثابت ہوا۔ تولیہ کا لفظ لینے کا ہے۔ لیکر چھوڑتا ہے۔ دیکھا کتنی چیزیں غارت ہوئیں خیر صبر کیجئے ہم

۴۸۸ ۸ ر محرم ۱۳۲۶ھ

آج میں تم کو وہ باتیں لکھنی چاہتا ہوں جو شاید تم کو ناگوار ہوں گی۔ اور تم خفا ہو جاؤ گے۔ لہٰذا پیار سے۔ محبت سے اور چمکار کر یہ خط لکھتا ہوں۔

میری نصیحت غور سے پڑھو۔ اور اکیلے میں سوچو کہ جو کچھ میں لکھتا ہوں وہ سچ ہے یا جھوٹ۔

زندگی کے یہ دن چند روزہ ہیں۔ اس وقت کو غنیمت سمجھ کر کوئی بات ایسی حاصل

کرو کہ بُرے وقت میں کام آئے۔ آوارہ اور بے کار رہنے کا زمانہ نہیں ہے۔ کچھ پڑھ۔ کوئی ہنر سیکھ۔ اور ان لوگوں سے ملنا ترک کر۔ جو بدنام ہیں۔ اور تیرے خاندان کو جن کی ملاقات سے بٹہ لگتا ہے۔ تیرا خاندان بڑا شریف خاندان ہے۔ عزت دار خاندان ہے۔ ذی علم خاندان ہے۔ لیاقت اس میں ہے کہ باپ دادا کا نام روشن کرو۔ کوئی ایسی خوبی اور علمیت حاصل کرو کہ ان کا نام دوبارہ زندہ ہو جائے۔

مگر افسوس کہ تم ایسا نہیں کرتے۔ مجھے سخت صدمہ ہوا۔ جب میں نے شہر میں تمہارے دشمنوں کو کہتے سنا کہ تم اور وہ خراب آدمیوں سے ملتے اور بدنام صحبت میں جاتے ہو۔ اگرچہ میرا یقین ہے کہ وہ باتیں فقط دشمنی کے سبب بیان کی گئیں۔ لیکن تم کو اس پر بھی احتیاط کرنی مناسب ہے۔ اور آوارہ لوگوں سے میل جول ترک کرنا ضروری ہے۔

اس زمانہ میں نقصان نہ پرانی تعلیم سے ہے نہ نئی روشنی سے ہے۔ نہ اس کی جہل پہل سے۔ بلکہ بے کار کاہل وجود و فضول خرچ آدمیوں کی صحبت سے نوجوان بگڑتے ہیں۔

اگر انسان اچھے اور کامی آدمیوں کے پاس بیٹھے۔ اور آٹھ پیسے کمانے کی تدبیر کرے تو اس کے فیشن سے ڈر نہیں۔ چار پیسے خرچ کرتے میں کبھی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ چار پیسے تو اس کی جیب میں باقی رہیں گے۔

یہ نہیں کہ کمائی تو ایک کوڑی کی نہ ہو اور خرچ چار پیسے کا۔ بالفعل دو کام شروع کرو۔ (۱) وقت کی پابندی۔ یعنی صبح کے وقت ہوا خوری کرو۔ کہانا کہاؤ۔ اور جو محلہ میں نیک اور بزرگ آدمی ہوں۔ اُن کے پاس جاؤ۔ اردو کتابیں پڑھو۔ لائبریری میں اخبارات دیکھو۔ شام کے وقت انگریزی سبق لو وغیرہ وغیرہ۔

(۲) آہستہ آہستہ بدکار آدمیوں سے صاحب سلامت کم کرو۔ اور پھر بالکل چھوڑ دو۔ گھر کے کام کاج کو دیکھو۔ اور ایک نیک شریف آدمی بن جاؤ۔

اگر تم نے میری کڑوی کسیلی باتیں دو لکے گھونٹ کی طرح پی لیں تو چار دن میں بد نامی کا مرض جاتا رہے گا۔ اور یہی میری تمنا ہے۔

---

۴۸۶ درگاہ شریف ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۸ء

کل صبح بڑی مزیدار نماز پڑھ کر آپ کے اور اپنے لئے دعا مانگ رہا تھا کہ مقبول نے ڈاک بھجوائی۔ خطوط و اخبارات کے انبار کی چوٹی پر آپ کے دو لفافے نظر آئے۔ اُٹھائے بڑی دلداری سے یہ خط لکھے ہیں۔ خدا اس کے لکھنے والے کو بہت ہی دن تک زندہ رکھے۔ آمین۔

ایک ایک لفظ اس خط کا بڑی بڑی تفسیریں لکھنے کے قابل ہے۔ میں نے شرحیں اور حاشیے لکھ کر دل کی بستی میں رہنے والے مولویوں کو بانٹ دئے ہیں۔ کبھی اس ویران آبادی میں گزر ہو۔ تو دیکھ لینا۔

تم مٹی کا پتلا ہو۔ تم نقش خاک ہو۔ تم ایک وجود بے وجود ہو۔ مگر نور مٹی کے نشان میں چمک رہا ہے۔

---

۴۸۶ درگاہ شریف ۱۰ محرم ۱۳۲۷ھ

بابا۔ آج کا دن۔ بس بالکل سراپا غم۔ دشمن نے ہمارے تمہارے بوڑھے باپ حسینؑ کو کربلا میں ذبح کر ڈالا تھا۔ سارا عالم ان کے غم میں رو رہا ہے۔

میں صبح غمگین بیدار ہوا تھا۔ اور عاشورہ کے اعمال میں مصروف ہونا چاہتا تھا کہ آپ کا قاصد خط لے کر آیا۔ پہلا کام یہ کیا کہ گریبان نامہ کو بھی چاک کر کے ماتمی بنایا۔ بار بار پڑھا اور ایام غم میں مسرور رہا۔

کل دہلی میں تھا۔ اور اختر بابا کو خط لکھ رہا تھا۔ آج مکان پر ہوں۔ اور تم کو غم نامہ بھیج رہا ہوں۔ زخمی اختر کی خیر۔ کس کا علاج ہے۔

کیوں جناب وہ وعدہ یاد ہے کہ اب شہر جا کر پڑھنا شروع ہو گا۔ کیا پھر غفلت

طاری ہو گئی۔ خیر جاہل رہو یا اجہل اب ہم کچھ نہ کہیں گے۔

۹ رمضان ۱۳۲۷ھ

درگاہ شریف

۴۸۶

اختر بھائی۔ کارڈ پہنچا۔ اور ایک تار بھی آیا۔ تقدیر آج کل گردش میں ہے سبب تعلقات ٹوٹتے جاتے ہیں۔ اہلیہ کے مرنے سے ننھے سے بچے حسن بصری اور اس کی بہن حور بانو کی پرورش کا بوجھ سر پر آگیا۔ حیران ہوں کیا کروں۔

۴۸۶

ارے کیوں رے بے خبر۔ اب تو ہمارے خط کا جواب بھی نہیں دیتا۔ یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ ہم روز خط لکھیں۔ اور جواب ایک کا نہ آئے۔

جنوری ۱۹۰۹ء

میرٹھ دفتر توحید

۴۸۶

کہتے ہیں اب دہلی کا پایہ تخت میرٹھ میں آگیا۔ اگر یہ سچ ہے تو آپ کو اس کا تماشا دیکھنا چاہیئے۔ ٹکٹ موجود ہیں۔ شام کے چھ بجے ڈراپ گرجائے گا۔ اشتہار کے دیکھتے ہی شوقین لوگوں کو لال کرتی کی طرف قدم اُٹھانا چاہیئے۔

فروری ۱۹۰۹ء

دہلی

۴۸۷

بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ کی خیریت ملتی رہے۔ مگر مدتوں کے بعد ایک کارڈ آتا ہے شکایت سے لبریز۔ آخر اس کا سبب؟

۲۳ مئی ۱۹۰۹ء

ریاست ریوان

۴۸۶

افسر بابا کی جدائی کا غم تو تھا ہی۔ آپ کی بے کلی و بیقراری نے اور تکلیف میں ڈال دیا۔ اس دنیا کا یہی دستور ہے۔ صبر کرو۔ اور والدین کو تسلی و تسکین دو۔ آپ کا خط ملا۔ ایک ایک لفظ میں غم کا دریا بھرا ہوا تھا۔ پیارے افسر کی یاد کو تازہ کر دیا۔ خدا کے واسطے میرے کمزور دل کو مطمئن کرو۔ اور ماتم چھوڑ دو۔ میاں! کچھ یاد ہے۔ رسالہ زبان میں قبر کا سہرا لکھا تھا۔ ذرا اس کو پڑھو۔

اور سوچو کہ الفاظ کس واقعہ کی خبر دے رہے ہیں۔ پیارے یوں غیبی اشارے پورے ہوا کرتے ہیں۔ نہ مجھ کو خبر تھی۔ نہ تم کو کہ قبر کا سہرا سچ مچ پورا نظر آئے گا۔

اختر کو سلام۔ مگر افسر بابا کو سلام کیونکر لکھوں۔ کیا تم اس خاکی چھپر کھٹ میں سونے والے کو جگا کر یہ پیام پہنچا دو گے۔ افسر کی آخری تصویر میرے پاس ہے۔ وہ خود میرے ہمراہ ریواں آنا چاہتے تھے۔ مگر تصویر کو بھیج دیا۔ خود نہ آئے۔ بار بار تصویر دیکھتا ہوں اور بے چین ہوتا ہوں۔

۴۸۶ درگاہ شریف ۲۷ مئی سنہ ۱۹۰۹ء

میری جان۔ اللہ کی امان! خط پہنچا۔ اس سے پہلے بھی لفافہ آیا تھا جس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ اس خط نے جی ہلا دیا۔ الٰہی پیارے کی خیر۔ یہ دن امتحان کے ہیں۔ صبر کرو۔ اور دل پر غم نہ آنے دو۔ بُرے بُرے خواب دیکھتا تھا۔ آخر ظہور دیکھ لیا۔

۴۸۶ میرٹھ ۲ جون سنہ ۱۹۰۹ء

اجی حضرت آخر آپ نہ مانے اور لال کرتی میں کالا کرتا پہنا۔ کل کا سارا دن گزرا۔ ایک خط نہ لکھا جو تسلی ہوتی۔

۴۸۶ دہلی ۸ جون سنہ ۱۹۰۹ء

میاں! لفافہ دار خط پہنچا۔ خدا تم کو صحت دے۔ تمہاری روز روز کی بیماری سے فکر ہے۔ علاج کرو۔ اور روز دوا پی لیا کرو۔

واحدی صاحب بیمار ہیں اور خوب بیمار۔ بغل کے دنبل نے تین رات بیقرار رکھا۔ کل شگاف دلوایا ہے۔ چلنا پھرنا دشوار ہے۔ بیمار پرسی کر دی ہے۔ وہ بہت بہت احسان مانتے ہیں۔ اور سلام کہتے ہیں۔ اپنے قاصد کو سلام کہئے۔ بہت ہی نیک اور ملنسار ہیں۔ ہشیاری ضرور سیکھو۔ دیکھو یہ وقت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ آدمی بن جاؤ۔ کہنا

بانو۔ اب وہاں آؤں تو یہ سنوں کہ تم نے تجارتی ہنڈی شروع کردی ہے۔

۱۴ر جون ۱۹۱۰ء

دہلی

۷۸۶

واحدی صاحب کا زخم ہرا ہے۔ مرہم پاشی ہورہی ہے۔ لکھ نہیں سکتے۔ مزاج پرسی کردی ہے۔ یہ معلوم کرکے کہ تم تعمیل اور کام کو تیار ہو خوشی ہوئی۔

۱۵ر جولائی ۱۹۱۰ء

دہلی

۷۸۶

میرے دہقان! سلام۔ اب خدا کے فضل سے زخم بھر چلا ہے۔ پرسوں علی گڑھ جانا چاہتا ہوں۔ وہاں سے تمہارے پاس آؤں گا۔ اور دہقان کے گوشۂ کلاہ کو دیکھوں گا۔

۶ر رمضان ۱۳۳۱ھ

دہلی

۷۸۶

میاں! تم ابھی ویسے ہی ہو جیسے تھے۔ میں نے وعدہ کے ایفا میں دانستہ دریغ نہیں کیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ رمضان نے مضمحل کر رکھا ہے۔ اور کچھ اس کا ملال کہ تم نے پھر وہی عادات اختیار کرلیں۔

ایسی حالت میں ناممکن ہے کہ میں ذرا بھی ہمدردی تم سے کروں۔ باجہ تم پر سے قربان ہے۔ ابھی حاضر کیا جاتا۔ مگر میں جب خیال کرتا ہوں کہ وہاں بجایا جائے گا جو تمہاری پریشانی اور بدنامی کا باعث ہے تو میرا دل دینے سے انکار کرتا ہے۔ اس واسطے مجبور ہوں۔

پھر تین برس کے بعد

۲۴ر ستمبر ۱۹۱۳ء

میرٹھ۔ دفتر توحید

۷۸۶

سلام علیکم۔ درگاہ میں آپ کا عالمانہ فاضلانہ مدبرانہ تسلی نامہ پہنچا تھا۔ مگر میں وہاں اپنے آپے میں نہ تھا۔

دہلی میں آیا تو مہمانوں نے مصروف رکھا۔ چاہتا تھا کہ لال دروازہ پر آؤں۔ مگر دہلی کے کالے دروازہ کی کشش غالب آئی۔

ذرا اپنے خط کی درستی کا خیال کرو۔ میری طرح نہ رہو۔ جس کا لکھا کاتب تک مشکل سے پڑھتے ہیں۔ جیسا تمہارا مضمون دلفریب اور نفیس ہوتا ہے خط بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اپنے مضامین کی ایک کاپی بھیجتا ہوں۔ فرصت میں جی چاہے تو دیکھنا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

میں ایک سکون و سکوت کی زندگی چاہتا ہوں۔ ڈھونڈھتا ہوں مگر نہیں ملتی۔ ہر ایک آدمی ایک کام کے لئے دنیا میں آیا ہے مگر اس سے منکر ہوں۔ مجھے کام کرنے سے ضد ہے۔ پھر خلقت مجھکو کیوں گھیرتی ہے۔ اور کام مانگتی ہے۔ حاکم و محکوم کی کش مکش۔ قاتل و مقتول کی کش مکش۔ جاہل و مجہول کی کش مکش۔ اس مقام سے پست ہے۔ جہاں میرا دھیان ہے۔

میں نے بائیسکوپ کمپنی میں عجب رنگا رنگی دیکھی۔ جب تماشہ ختم ہوا تو سفید چادر پر ایک چھپکلی پھر رہی تھی۔ بڑی ہنسی آئی۔ اس جانور کو کیا خبر ہو گی کہ جس چادر پر خلقت کو متحرک تصویریں نظر آتی ہیں۔ میں اسی پر ہوں۔

میں نے اس چھپکلی کو اپنے خیالات عمیق کا رہبر بنایا۔ اور ساری رات جاگتا رہا۔ آج صبح سے نیند کا ہجوم ہے۔ آنکھیں خمار میں جھکی پڑتی ہیں۔ لیکن یہ خیال دل سے نہیں جاتا۔

ہم تو یہ جانتے ہیں کہ دنیا بھول میں ہے۔ ناحق کائنات کے اضطراب سے گھبرائی جاتی ہے۔

---

۴۸۶ میرٹھ دفتر اخبار توحید ۲۷ ستمبر ۱۹۱۳ء

اول سلام بعدہٗ کلام۔ کل بڑا طول طویل خط لکھا تھا۔ میری عادت ایسے خط

لکھنے کی نہیں ہے۔ اور نہ کسی کو بار بار لکھنا پسند کرتا ہوں۔ مگر آج کل کام کچھ نہیں ہے۔
اس لئے خواہ مخواہ تم کو خط لکھنے بیٹھ گیا۔
اس کے علاوہ یہ بھی خیال ہے کہ اس مشق خط و کتابت میں تم کو بھی اپنی انشا
پردازی کے بڑھانے کا موقع ملے گا۔ گو میں جہاں تھا وہیں رہوں گا۔ کیونکہ بڈھے
طوطے نہیں پڑھا کرتے۔
کل جو کتابیں بھیجی تھیں۔ ان میں غلطی سے دو کتابیں نہ جا سکیں۔ آج اُن کو
روانہ کرایا ہے۔ میں نے دیکھا قلب پر گرمی ہے۔ تو کروں سے چھت پر پانی کا چھڑکاؤ
کرایا۔ اور اس پر پابرہنہ آدھ گھنٹہ چہل قدمی کی۔ حرارت دور ہوئی۔ اور جی بشاش
ہو گیا۔ اور کھانا اچھی طرح کھایا گیا۔
صبح کا کھانا آٹھ بجے کھاتا ہوں۔ اور شام کا چار بجے عصر کے وقت۔ کھانا کھا کر
اپنے معمولات پورے کئے۔ کیونکہ خدا آج کل کھانے کے بعد یاد آتا ہے۔ مگر یہ بھی غنیمت
ہے۔ ڈاک میں بڑے درد انگیز خط آتے ہیں۔ خلقت اخبار توحید کی اس قدر شیدا
تھی۔ ان لوگوں نے شاید کچھ حد سے زیادہ محبت کا بوجھ اپنے سر پر لے لیا ہے
ورنہ اخبار توحید میں دوسرے اخباروں سے زیادہ بات نہ تھی[1]

---

۷۸۶ میرٹھ دفتر اخبار توحید ۲۹ ستمبر ۱۹۱۳ء

السلام علیکم۔ صبح ایک کارڈ مختصر بھیجا تھا۔ اس لئے کہ آج بھی باوجود انتظار تمہارا
خط صبح کی ڈاک میں نہ تھا۔ شام کی ڈاک میں بارہ امام کی برکت سے بارہ صفحے پہنچے۔
سرسری نظر سے پڑھ لئے۔ کھانے کا وقت قریب ہے۔ اس کے بعد کہیں جانا ہے۔
اس لئے اطمینان رات کو ملے گا۔ اس وقت دیکھوں گا۔

---

[1] اخبار توحید صرف پانچ مہینے جاری رہا۔ مگر اس سے لوگوں کو اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ اب بھی کہ
چار سال اس کی بندش کو گزر گئے۔ بعض لوگ اس کا ذکر کر کے رونے لگتے ہیں۔ یہ بات کسی اخبار کو نصیب نہیں ہوئی۔

عقل مند وہ ہے جو اپنی بات دوسرے کے اختیار میں نہ دے۔ دنیا میں لوگوں کا قاعدہ ہے کہ پہلے تو کسی کا راز کہہ دیتے ہیں۔ پھر اصرار کرتے ہیں کہ کسی اور سے نہ کہنا۔ ایسا ہی خط کا معاملہ ہے۔ اس میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ کیا خبر ہے کہ ہاتھ سے نکلا ہوا تیر کہاں جاکر پڑے گا۔

ایک نئی کتاب کی ترتیب میں آج اندھیرے سے کام کرنے بیٹھا تھا۔ اب کہ شام قریب ہے۔ بمشکل اُٹھا۔ نیند آرہی ہے۔ بھوک لگ رہی ہے۔ لوگ تعویذ مانگ رہے ہیں۔ میں پناہ مانگ رہا ہوں۔

آج چند صاحب آئے تھے۔ کہنے لگے۔ آپ کا فوٹو درکار ہے۔ میں نے کہا اصل موجود ہے۔ تو نقل کیا کیجئے گا۔ بولے۔ اصل قابو میں نہیں آتی۔

تجھ سے تصویر تری پیاری ہے
گو کشیدہ ہے مگر پاس تو ہے

میں نے کہا بھائی مجھکو اس شعر شاعری میں نہ ڈالو سیدھا جواب ہے۔ نوکر سے بکس کھلواؤ۔ تصویر لو۔ اور جاؤ۔

دنیا کے عکس پرست لوگوں کے جھگڑے بھی بڑے مزیدار ہوتے ہیں۔

---

۷۸۶ میرٹھ توحید آفس ۳۰ ستمبر ۱۹۱۳ء

السلام علیکم۔ رات کو آپ کا یا تمہارا خط پھر غور سے پڑھا۔ پورا آدھ گھنٹہ صرف ہوا۔ اب مجھکو یہ شکستہ خط پڑھنے کی عادت ہو چلی ہے۔ مگر ایک دفعہ ہی اتنا لکھنا ٹھیک نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر روز خط آئے۔ مگر اتنا کہ تم لکھ سکو۔ اور میں پڑھ سکوں۔

اب میرا روز نامچہ سنو۔ رات کو خط پڑھا۔ گانا سنا۔ دوستوں کی بحث سنی اور سو گیا۔ پچھلی رات تین بجے بیدار ہوا۔ اور جو کام کرنے تھے کئے۔ چھ بجے کی ریل

میں دہلی جاتا تھا۔ مگر نہ گیا۔ منیجر صاحب کو بھیج دیا۔
دہلی سے بلاوے آرہے ہیں۔ بی حور بانو سنتا ہوں۔ اپنے غافل باپ کو
یاد کرتی ہیں۔ یہ لڑکی بڑی شریر اور نکتہ چین ہے۔ باپ کو طعن سے نہیں چھوڑتی۔
کہتی ہے ان کو ہماری کیا پروا۔ تو پھر ہم کو ان کی کیا پروا ہے۔
سچ ہے زمانہ ہی ایسا ہے۔ ایک دن میں نے اس سے کہا۔ کیوں بی حور! جب
تمہاری شادی ہو جائے گی اور ہم بوڑھے ہوں گے تو ایک دن ہم کہیں گے حور بانو
ذرا ہمارا فلاں کام کر دینا۔ اور تمہارا خاوند کہے گا کہ پہلے میرا کام کرو۔ تو تم کس کا
کام پہلے کرو گی؟ سوچ کر بولی۔ اچھا ابا تم شادی کر لو نا۔ میری ضرورت ہی نہ رہے۔
مجھے اس جواب سے بہت تعجب ہوا۔ نئی روشنی کی خودغرض فطرت اس کی زبان میں بولی۔
بمبئی سے آج پھر بلاوا آیا ہے۔ شاید دو ہفتے میں جاتا ہو۔
آج ایک صاحب ملنے آئے تھے۔ سڑک پر گاڑی روکی اور وہیں ملنے کو بلایا
میں نے کہا خانہ بے تکلف ہے۔ اندر آئیے۔ لکھا کہ اگر آپ یہاں آسکیں تو آئیے۔ میں نے
جواب دیا کہ چھت پر بھیجئے تو میں آجاؤں۔ تم ضدی تو میں ہٹیلا۔ چلے گئے۔
آج دستر خوان چپ چاپ تھا۔ ہنس مکھ منیجر دہلی گئے۔ جن کے دم سے ذرا
خوش باش تھی۔ شام کا کھانا بھی ایسا ہی نظر آتا ہے۔ وہ رات کو آئیں گے۔

---

۱۳۴ میرٹھ توحید خانہ یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء

انگریزی مہینہ کا نیا سورج مبارک۔ چاند تو ہم غریبوں کا ہے۔ جو گھٹتا بڑھتا
رہتا ہے۔ اور آج کل بحر ظلمات میں ہے۔ شاید کل یا پرسوں نمودار ہو۔ اسلئے میں تم کو
سورج کے مہینہ کی مبارکباد دیتا ہوں۔ کیونکہ تم بڑی خیر خواہ سرکار اور وفادار انگلش ہو۔
اور اس کے بعد السلام علیکم کہتا ہوں۔ خط آیا۔ پڑھا۔ جی خوش ہوا۔ آخر وہی
ہوا جس کا خیال تھا پیکٹ نہ پہنچا۔ اسی لئے میں نے پہلا پیکٹ رجسٹرڈ بھجوایا تھا جس پر

تم نے اعتراض کیا اور فضول خرچی کا الزام لگایا۔ خیر مضائقہ نہیں۔ حزب البحر تیار ہو جائے اور انتخاب توحید کی کتاب چھپ جائے۔ تو چاروں کتابیں ساتھ بھیج دوں گا۔

خون ناحق کے نام میں بڑا لطف ہے۔ میں نے ابھی تمہارے لئے اس کو مکتبہ قادریہ سے خریدا۔ چلو دوبارہ کتابیں بھیجنے کا بہانہ مل گیا۔ رجسٹری بھیجتا ہوں۔

واحدی صاحب بیمار ہیں۔ اس لئے آج ناگہاں دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی۔ شام کو جاؤں گا۔ کل کا خط دہلی منزلگاہ نظام المشائخ کے پتہ سے بھیجنا۔

تصویر کی نسبت تم نے لکھا یہ منع ہے۔ مسئلہ تو یہی ہے۔ مگر میرا عقیدہ اس مسئلہ میں از روئے تحقیق اصول فقہ اس کے خلاف ہے۔ میں تصویر عکسی جائز سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں نے اپنی سیکڑوں تصویریں کھچوائی ہیں۔ حور بانو اور اس کی والدہ تک کی تصویریں ایک میم سے بنوائی تھیں۔ ابن حسن نظامی بھی اس گروپ میں ہے۔

تم اگر اس کو منع سمجھو تو میں تم کو مجبور نہیں کروں گا۔ کیونکہ اپنا اپنا عقیدہ ہے۔ کسی کو زور دینے کا اس انگریزی راج میں حق نہیں۔ تعویذوں پر ٹکس کی تجویز خوب ہے۔ کانپوری معاملہ ٹھنڈا نہیں ہوگا۔ گھبراتی کیوں ہو۔ گرمائی کے سامان تو اب پیدا ہوئے ہیں۔ دیکھنا اس سردی کے موسم میں کیسی گرمیاں رہتی ہیں۔

روزنامچہ یہ ہے۔ چار بجے کھانا کھایا۔ ہوا خوری کو گیا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر ایک سقہ کے گھر میں اس کی ماں کی زبانی آسیب کے افسانے سنے۔ یہ بیچارے بڑے وہم پرست ہوتے ہیں۔ ایک گھنٹہ تک اس نے اور سارے محلہ کی عورتوں نے مسان اور طرح طرح کی الا بلا باتوں کے حالات سنائے۔ ان سب کو ان کی عقل کے موافق تسلی دی۔ تعویذ بانٹے۔ ساڑھے سات بجے گھر میں آیا۔ دن کے تازہ اخبارات پر احباب میں مباحثہ تھا۔ اس کو سنا۔ ساڑھے دس بجے دہلی کے مسافر یعنی مینجر صاحب توحید واپس آئے۔ دہلی کے دفتر کی ڈاک جو روز آیا کرتی تھی۔ آج دستی آئی۔ اس کو دیکھا

پان کھایا۔ ساڑھے گیارہ بجے نماز سے فارغ ہوا۔ بارہ بجے لیٹا۔ پاؤں دبواتے دبواتے سوگیا۔

صبح کو ایک دوست کی عیادت تھی۔ وہاں کچے پھیکے دودھ اور کونین کی گولی کا ناشتہ کیا۔ واپس آکر ساڑھے آٹھ بجے کھانا کھایا۔ تازہ ڈاک دیکھی۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

دہلی

۴۸۶

السلام علیکم۔ پرسوں سے دہلی میں ہوں۔ مگر ایسا کہ گویا نہیں ہوں۔ واحدی صاحب کی علالت نے حواس باختہ کر رکھا ہے۔ ایک وجود ہے جس پر اعتماد تھا۔ خدا اس کو سلامت رکھے۔ اس کے دم سے مجھے آزادی ہے۔

بخار۔ غفلت۔ کمزوری۔ اس پر نازک طبع۔ معالجہ ہو رہا ہے۔ گھر سے نکلنے کی فرصت نہیں ملتی۔ امیر۔ غریب کی بحث نہیں۔ میں آنکھوں سے آؤں گا۔

۱۸ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

بیت التوحید

میرٹھ

۴۸۷

صبح خط لکھ چکا ہوں۔ درد سر سے نڈھال ہوں۔ کرسی کے لئے وبال ہوں۔ چکنی ہو گئی ہے۔ لیٹا ہوں۔ نوکر تیل مل رہے ہیں۔ زبان سے مضمون بولتا ہوں۔ کاتب لکھتے جاتے ہیں۔ ذرا کے ذرا اٹھا۔ تمہارا خط سب کو خاموش کر کے پڑھا۔ شکایت دور کرنے کے خوب ڈھنگ یاد ہیں۔ اگر بولنا نہیں آتا تو مضائقہ نہیں۔ مجھے کونسا بولنا آتا ہے۔ لکنت زبان میں ہے۔ کوئی قرینہ درست نہیں۔ لکھنا اتنا زیادہ ہے کہ تندرست سر درکار ہے۔ اور وہ موجود نہیں۔ اب چاہے اس خط کو پھیکا سمجھو یا میٹھا۔ کڑوا یا کھٹا۔ تیل کا ملیدہ گھر کے پیروں کو دیتے ہیں۔ میں تو باہر والا پیر تھا۔

آج دہلی آنا تھا مگر رہ گیا۔ ایک کتاب "فرام قبلہ ٹو شملہ" لکھی ہے۔ وہ چھپ جائے تو اطمینان ہو۔

پان کہاتے کہاتے جی اُکتا گیا۔ اس کا تو اس وقت ذکر بھی نہ کرو۔

۸۶ میرٹھ توحید منزل ۱۱ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

السلام قبل الکلام۔ سلطان فاطمہ کو پیار۔ والدہ کو سلام۔ بھائیوں کو دعا۔ زچہ خانم کو جو وہ مانگیں۔

دردِ سر گیا۔ خط آیا۔ آج صبح ۳ میل چہل قدمی کی۔ جی بشاش دماغ زور دار ہے۔ لکھنے بیٹھا تو کاغذ نہ ملا۔ نوکر حاضر نہیں۔ آواز دیتا ہوں۔ کوئی نہیں بولتا۔ خود نوکر بنا۔ بکس تلاش کیا۔ مگر خبر نہیں کاغذات کے پیکیٹ کہاں رکھ دئے ہیں۔ نہ ملے ناچار نواب وقار الملک والے کاغذ کو لکھنا شروع کیا۔ یہ ۶ر اکتوبر کو لکھنے بیٹھا تھا کہ چھوڑ دیا۔

ظل السلطان رسالہ کی کیا قیمت ہے۔ پتہ بتاؤ تو جاری ہو جائے گا۔

آج واحدی صاحب کی آمد گرما گرمی سے ہے۔ پوچھوں گا کہ یہ تحقیقات والا معاملہ کیا تھا؟

واحدی صاحب بہت صاف اور سادہ دل نوجوان ہیں۔ معاملات تجارت میں بیباک اور مستعد ہیں۔ انہوں نے اگر ایسا لکھا تو اپنا فرض پورا کیا برا نہ ماننا۔

ہاں میں تسلیم کرتا ہوں کہ لکھنے میں دل کی باتیں ادا ہو جاتی ہیں۔ بہت سی پھانسیں نکل جاتی ہیں۔ زبان میں اتنی قدرت نہیں لیکن بعض باتوں کا لطف گفتار بغیر ادھورا رہتا ہے اتوار کی آمد یقینی نہیں۔ جن کے لئے جاتا تھا وہ خود آتے ہیں۔ اصرار ہوا تو شاید چلا جاؤں۔

حور کا دیکھنا لازمی ہے۔ آخر کو تو خدا نے اُس کو میر الخنت جگر بنایا ہے۔ دیکھوں کس حال میں اور کس خیال میں ہے۔

ایک آستین کرتے کی پرسوں سے پھٹ گئی ہے۔ میں نے اُس کو اور چیر ڈالا۔ خوش ہوتا ہوں کہ دریدہ جامہ والا ہوں۔ خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ ہزار شکر اس کی نعمتوں کا۔ مگر کبھی اچھا پہننے کی حرص نہ ہوئی۔

معلوم ہوتا ہے۔ تم نے میری کتابوں میں صرف عیدی کو پڑھا۔ بچہ بن گئیں۔ مجموعہ مضامین کو دیکھا ہوتا۔ ہاں خونی داستان بھی پڑھی؟

۴۸۶ — میرٹھ — مقام توحید — ۱۶ر اکتوبر ۱۳ء ۱۹

السلام علیکم۔ سنا ہے آج کل دہلی والے ساڑھے آٹھ بجے تک سوتے رہتے ہیں ان سے کہنا چاہیئے۔ سویرے اُٹھنا تندرستی کے لئے اور مشغولی خیالات کیلئے ضروری ہے میں عموماً بہت سویرے بیدار ہوتا ہوں۔ کبھی کبھی اس کے خلاف ہوتا ہے۔ معمول یہ ہے کہ پانچ بجے حوائج جسم۔ اور فرائض خدا سے فراغت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ہوا خوری اور پیدل چلنے کے لئے ایک گھنٹہ صرف کیا جاتا ہے۔ اور پھر بشاش بشاش بیٹھ کر دوسرے مشاغل ہوتے ہیں۔

واحدی صاحب کو نیم بیمار چھوڑا تھا۔ خدا پر جس کو چھوڑ دیا جائے تو فکر بہت کم رہ جاتا ہے۔ اور وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

بالاخانہ کے وہ پھول تمہارے والد صاحب نے عنایت کئے تھے۔ میں ان کی رنگت سے خوش ہوا۔

۴۸۷ — دہلی — ۱۸ر اکتوبر ۱۳ء ۱۹

آج صبح سے میری حالت مجنونانہ ہے۔ بات کو ہنسی میں نہ ڈالنا۔ تمہارے ہاں جا کر خبر نہیں۔ میں نے کیونکر جی کو سنبھالا۔ اور سمجھ داری کی باتیں کیں۔ ورنہ ناممکن تھا کہ میں بول سکتا۔

واحدی صاحب سے کہہ دیا کہ میرا نام رسالہ نظام المشائخ کی نگرانی و سرپرستی

سے نکال دیں۔ اب مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں۔ خاص خاص دوستوں کو خط لکھ رہا ہوں کہ تمہاری دوستی ختم۔

قدم شریف گیا تھا۔ وہاں بھی جی نہ لگا۔ میرٹھ نہیں جاتا۔ کل تک حالت درست ہوئی تو شاید چلا جاؤں۔ ورنہ نہیں۔ اجمیر شریف سے تار آیا ہے۔ جو ملفوف ہے۔ وہاں بھی انکار لکھ دیا۔ بمبئی کے بلاوے کو جواب صاف بھیجدیا۔

میرا خیال ہے کہ یہ کوئی مرض ہے۔ دل پر حرارت ہے۔ اب میں اپنے قدیمی ارادے خاموشی و گوشہ نشینی و صحرانوردی میں لطف کا نشان پاتا ہوں۔ ممکن ہے کہ کل تک یہ دورہ ختم ہو جائے۔ اور میں تم کو مطمئن خط لکھ سکوں۔ اور تم بے اختیار میری باتوں پر ہنسو۔ مگر اس وقت نہ ہنسنا۔ اور دعا کرنا کہ خدا تعالیٰ انجام بخیر کرے۔

اکثر اوقات موسم کی تبدیلی کے وقت میری یہ حالت ہو جایا کرتی ہے۔ اس لئے کچھ اندیشہ نہ کرنا۔ میرٹھ گیا۔ اور حالت درست ہو گئی تو خط لکھوں گا۔ ورنہ آخری سلام قبول ہو۔

۷۸۶ **میرٹھ** **اشاعت گاہ توحید** **۱۹؍ اکتوبر ۱۹۱۳ء**

آج کے مختصر خط نے کل کے طولانی خط سے آدھا اپنی بساط کے موافق لطف دیا رات کو ایک صاحب مزاج پرسی کو آئے تھے۔ جن کے پاس میرے ڈیڑھ سو خط ہیں کہنے لگے۔ جان کی برابر لگا رکھا ہے۔ مر جاؤ گے تو چھاپوں گا۔ میں نے کہا مریں میرے دشمن نامعقول بدشگونی کرتا ہے۔ کل جب کیا بکتا ہے۔ ہنسکر کہنے لگے کہ آپ کے بزرگ تو زندگی میں کئی کئی بار مرتے تھے۔ آپ اتنا ڈرتے ہیں۔

میں نے کہا۔ دو بار میں بھی مر چکا ہوں۔ بھائی اب مجھے جینے دو۔ دنیا کو زیر و زبر ہوتا دیکھنا ہے۔ کروڑوں آدمی کا خون بہتا دیکھنا ہے۔ غرض بہت دیر لطف کی باتیں رہیں۔

ایسے ایسے دو چار آدمی جن کو میں نے بہت زیادہ خط لکھے ہیں۔ مگر جب تک میں ان خطوط کو دیکھ نہ لوں۔ چھاپنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ لکھتے وقت مجھے یہ خیال تھوڑی تھا کہ یہ شائع ہوں گے۔ خبر نہیں کیا کیا لکھا ہو گا۔ وعدہ کر گئے ہیں کہ کل لاکر دکھاؤں گا۔ آٹھ برس پہلے کی بات ہے دیکھیں کیا کیا لکھا نظر آتا ہے۔

کل حزب البحر اور دو خط بھیجے ہیں۔ آج صحت تو درست ہے۔ مگر فرصت بیمار ہے پچھلی رات سے کتاب کو لپٹا ہوا ہوں۔ اب کہ دس بجے ہیں۔ فارغ ہو کر اطمینان و فراغت کا سانس لیا۔ پان کھایا۔ آٹھ بجے کھانے کے بعد کام کے استغراق میں پان کھایا تھا۔ اس نے مزہ نہ دیا۔

آج جمعرات ہے۔ ولایت کے خطوط لکھنے ہیں۔ مصر شام۔ جاپان کی ڈاک تو ختم کر دی۔ استنبول کی رہ گئی ہے۔ بیچ میں اپنے دار الحکومت کا خیال آ گیا۔ ادھر تم کو خط لکھنے بیٹھ گیا۔

کل دفتر کے کئی کارندے موقوف کئے گئے۔ ہا۔ توحید کے بند ہونے سے کتنے آدمیوں کی روٹی گئی۔

پڑوس میں چماروں نے ادھم مچا رکھی ہے۔ رام لیلا کا گانا بجانا رات بھر رہا سحری کے وقت لکھنے بیٹھا۔ تو ان کی آوازوں سے جی گھبراتا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ کام میں محو ہو گیا۔ پھر نہ سنا کہ کیا آوازیں تھیں۔ آج دو جز کے قریب یعنی $\frac{15}{2}$ کتاب کے ۳۲ صفحے لکھے۔ ذرا تعریف کرو۔ میرے دماغ کی کیسا مختتی اور کار گزار ہے۔

رسالہ کے سوار آئے ہیں۔ اور سرکہ کی ایک بوتل نقدی کے ساتھ نذر ہمراہ ہے مجھے اس بے موقع تیر نذر کو دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ مگر رکھ لی۔ محبت کا تحفہ ہے محبت کی دی ہوئی ہر چیز بیش قیمت ہوتی ہے۔ مصر میں ایک شخص نے سگرٹ پینے کا پائپ دیا۔ میں نے اس کو بوسہ دے کر قبول کیا۔ ورنہ کجا میں اور کجا سگرٹ۔

جوربانو کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ امید ہے کہ اچھی ہو گی۔ اور نہ ہو گی تو امید ہے کہ اچھی ہو جائے گی۔ آدمی تندرست ہونے کو بیمار ہوتا ہے۔ اس کی خوشی ہے کہ واحدی صاحب اچھے ہو گئے۔

۴۸۶ درگاہ شریف دہلی ۲۱ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

صاحب سلامت۔ دہلی کا خط آج ملا۔ مگر میرے خط کا جواب تم نے نہ دیا۔ جو پرسوں میرٹھ سے بھیجا تھا۔

رسالہ کی اڈیٹری میں تمہارے واسطے بہت مفید پاتا ہوں۔ مگر معلوم نہیں تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہو گی۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو۔ جلدی لکھو۔ شاید کل جواب آجائے یا کل کی ڈاک میں ملے۔

تم نے میری پرسش بہت مختصر الفاظ میں کی۔ حالانکہ اس سے زیادہ تقاضہ کن تھی۔ بخار سے نجات مل گئی۔ مگر طبیعت کو سکون نہیں ملا۔

نظام المشائخ یا کسی اور اخبار رسالے میں اگر میرا نام نہ ہو تو تم کو اس کے پڑھنے سے کیوں انکار ہو گا۔ میرے نام سے اس میں کیا خوبی ہو جائے گی۔ یہ قطعیت تو انقلاب خیالات کے سبب ہے۔ اب میں اخباری دنیا سے ناآشنا رہنا ہر آشنائی سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ مجھ کو اس میں لطف ہے کہ کوئی مجھے نہ جانے۔ اُنگلی اٹھا کر نہ بتایئے کہ یہ فلاں ہے۔ آج کل یہ بات نصیب نہیں۔

دیکھنا فلسفہ لے کر نہ بیٹھ جانا۔ میں جانتا ہوں کہ میرا یہ خیال اصول زندگی اور فلسفیانہ طریق کے موافق نہیں ہے۔ مگر کیا کروں خلجان دل کو ویران کئے دیتے ہیں۔

آج میں نے دیکھا۔ ایک ضروری کاغذ کا پھٹا ہوا پرزہ جوتیوں میں پڑا ہوا تھا میں نے اس کو ہاتھ میں لے کر ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا۔ کل تک یہ مخملی بکس میں عزت مآب تھا۔ اور اس پر ہزاروں امیدوں کا انحصار تھا۔ آج کام ختم ہوا۔ تو چاک کر ڈالا گیا

اب یہ ذلیل اور زیر نعلین ہے۔
دنیا کا یہی دستور ہے۔ یہ کام نکالتی ہے۔ جب تک کام نہیں نکلتا۔ عزت کرتی
ہے اس کے بعد تم کون اور ہم کون۔

۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

ادارۂ توحید

میرٹھ

۷۸۶

سلام علیکم۔ کل مفصل خط بھیج چکا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کے نام بھی خط ہے۔ ایسے
مخصوص اور خلجانوں میں تھا کہ فوری کارروائی نہ کرسکا۔ میں خود جانتا ہوں کہ تمہیں
تکلیف ہوئی ہو گی۔ تم کو اپنی بات کا پاس ہے۔ مجھ کو تمہاری آسائش کا پاس تھا۔

۲۵ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

۷۸۶

۲۴ر اکتوبر۔ سورج سے پہلے کمپنی باغ کی سیر ختم ہوئی۔ ہوا مزیدار تھی۔ انگریزوں
کے بچے بھی اسی وقت لائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو معلوم ہے۔ صبح کی ہوا سب غذاؤں
سے بڑھ کر ہے۔ ہندوستانی بچے اس وقت سویا کرتے ہیں۔
سات بجے کام کرنے بیٹھا۔ مگر جی نہ لگا۔ ایک خیریت کا خلجان تھا۔ رات سے
نوکر غائب ہے۔ آج ڈاک لانے والا بھی کوئی نہیں۔
دوپہر کو نوکر دہلی سے واپس آیا۔ اتنے عرصہ میں کھانا، لکھنا، سونا میں نے کئی کام
ختم کر لئے تھے۔ دہلی کی خبروں سے جی بشاش ہوا۔ جواب لکھے اور فوراً بھیجے۔
چار بجے دہی سے روٹی کھائی۔ لوگ کہتے تھے سردی ہے۔ نزلہ ہو جائے گا۔
مگر ان کا کہنا ناکام و غلط ہوا۔ مغرب کے بعد شہر کی سیر کو گیا۔ بھیا احسان ہمراہ تھے
آٹھ بجے واپس آیا۔ گانا سنا۔ دس بجے سونے لیٹا۔ چکر آنے لگے۔ آنکھیں بند کرلیں
مکان قلابازیاں کھانے لگا۔ میں نے کہا وقت آخر ہے۔ کلمہ پڑھا۔ توبہ کی۔ ہنسا۔
کروٹیں لیں۔ لحاف اوڑھ لیا۔ خیال بدلا اور نیند آگئی۔
۲۵ر اکتوبر۔ نماز پڑھی۔ جی نڈھال ہے۔ جگر کی خرابی ہے۔ سیب کی چند قاشیں

کھائیں۔ ۲۲ منٹ چھت پر چہل قدمی کی۔ سوا آٹھ بجے کھانا کھایا۔ ڈاک آگئی۔ دہلی کے کئی خط تھے۔ مگر لال دروازہ کا کوئی نہ تھا۔ اخبارات پڑھے۔ اب آرام کرسی پر لیٹا ہوں۔ اور یہ لکھ رہا ہوں۔ پانوں کی ڈبیا پاس ہے۔ اُگالدان نہیں ہے۔ اندر رکھا ہے کیونکر لاؤں۔ اجمیر شریف سے خط نہیں آیا۔ حور نے بھی خیریت نہیں بھیجی۔ کسی کو میری پرواہ نہیں ہے۔ نیند آئی سوتا ہوں۔

۸۶ء میرٹھ مشرق التوحید ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

سلام علیکم۔ آج بعد انتظار بعید۔ شدید اور دشوار ئی تمام خط آیا۔ آپ کے ۵۷ سنہ میں امن ہو۔ جس نے ادھورا خط لکھنے دیا۔

اس خط سے پہلے شاید میں آپ سے مل لوں گا۔ کیونکہ آج ایک بجے کی ریل میں دہلی جاتا ہوں۔ مگر ممکن ہے نہ آسکوں اور اس خط کے بعد آؤں۔ کیونکہ کل سے بہت تکلیف ہے۔ نہ کچھ کام ہو سکا نہ ناکام رہ سکا۔

ڈاکٹر اقبال کے لہجۂ و انداز کی نسبت میں کل ہی تم کو لکھ چکا ہوں بیشک وہ ذی ہوش آدمی ہیں۔ میرے خط کے بشرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ کبیدہ بھی ہوئے۔

۸۶ء میرٹھ لال کرتی دفتر خانۂ توحید یکم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ ۳ اکتوبر ۱۹۱۳ء

نیم تندرست ہوں۔ اسی عالم میں تمہارا خط پڑھا۔ جو آج آیا تھا۔ آصفی رات کو دہلی گئے۔ بہت روکا مگر نہ رکے۔ میں نے اس قدر خاموش لڑکا زندگی بھر نہیں دیکھا رات دن میں بمشکل دس بارہ لفظ بولے ہوں گے۔

میں نے ان کی خصلت اور سنجیدگی و سکوت کو بہت پسند کیا۔ ان کے سبب مجھکو اور میزبان بھیا احسان کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے جلدی جانے سے سب کو رنج ہوا۔

حتی الوسع ہم نے ان کو سارے میرٹھ کی سیر کرائی۔

۴۸۶

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

دہلی

اس وقت تو بہت بہت شکر گزاری اور اظہارِ ندامت کے سوا اور کچھ نہیں لکھ سکتا۔ ترکاری۔ کچوریاں۔ مٹھائی۔ کھلونے۔ کپڑے۔ چار روپے وصول ہوئے۔

اس کو رسید کہوں یا شرمندگی نامہ۔ تم نے یہ اس قدر کیوں تکلیف کی۔

حور بانو کا کل چلا جانا میرے اختیار سے نہ تھا۔ اس کو عید کے سبب گھر والوں سے ملنا ضروری تھا۔ گھر جا کر خالہ نے روک لیا۔ تاہم میں نہایت سچائی سے افسوس کرتا ہوں کہ آپ کو اور آپ کے سب گھر والوں کو انتظار کی تکلیف ہوئی۔

۴۸۷

۴ رمضان ۱۳۳۲ھ

درگاہ شریف

جناب عالی! آداب عرض ہے۔ حسب وعدہ دہلی حاضر ہوا تھا۔ مولوی صاحب کی دوکان پر معلوم ہوا کہ حضرت بڑے کامریٹ صاحب کے ہاں ہیں۔ سفر نامہ مولوی صاحب کو دے کر چلا آیا۔

تعمیر درویش خانہ کے سبب فرصت کم ہوتی ہے۔ چاہتا ہوں کہ عید کے عرس سے پہلے کام ختم ہو جائے۔

ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ بہتر ہے کہ یہ روز روز کی بیماریاں ختم ہوں۔ قبر میں آرام نصیب ہوگا۔ اگر دنیا کی ہوس باقی ہے تو لو دعائیں دیتا ہوں۔

"الٰہی قیامت کے بورئیے سمیٹو۔ ساری دنیا مرے اور تم اس کا ماتم کیا کرو"

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس کروڑ

۴۸۸

۹ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

درگاہ شریف

ذی الحجہ کی دسویں مبارک۔ میں شاید کل ایک بجے کی ریل میں دہلی آؤں گا اور چار بجے آپ کے ہاں حاضری دوں گا۔ دیباچہ پہنچا۔ درست کر لوں گا۔ خاصا ہے۔ مگر بیمار ہے۔

۷۸۶ ۲۴ر اپریل ۱۹۱۴ء

جناب عالی! آپ کا خط بہت مشکل سے آیا اور بہت مشکل سے پڑھا گیا۔ بعض لوگوں کو لکھنے کی مشق بڑھتی ہے۔ بعض لوگ اس کو اور گھٹاتے جاتے ہیں۔

واحدی صاحب دہلی میں ہیں۔ اور نیم بیمار۔ احسان صاحب میرٹھ میں ہیں اور پہلی مئی سے اخبار نکالنے پر تیار۔ جناب اکبر الہ آباد میں ہیں۔ اور پرسوں میرے پاس آنیکے لئے ریل پر سوار۔ یہ ٹھیک ہے کہ دہلی میں عورتوں کی تعلیم کے لئے بڑے بڑے سامان ہو رہے ہیں۔ بیگم بھوپال اور انگریزی گورنمنٹ دل کھول کر خرچ کرنے کو تیار ہے۔ مگر میں تو ان خالی خولی ترقیوں کا قائل نہیں۔ جب تک مذہبی تربیت کا پورا انتظام نہ ہو یہ تعلیم مفید نہ ہوگی۔ لڑکوں نے پڑھا تھا۔ تو کرکٹ کے ڈنڈے بجانے آگئے۔ لڑکیاں پڑھیں گی تو ہر ڈنگیاں بن جائیں گی۔

۷۸۶ ۱۵ر ستمبر ۱۹۱۴ء

سننے والوں سے دیکھنے والوں نے یہ کہا کہ آج تم کو اے حسن نظامی مہانوں اور عرس سے فراغت ملی۔ آٹھ دن سخت کم فرصتی رہی۔

معلوم نہیں جناب کا مزاج کیسا ہے۔ اور کہاں تشریف فرما ہیں۔

۷۸۶ دہلی ۲۶ر اکتوبر ۱۲ بجے کے بعد

بیرنگ خط آیا۔ پتہ کے رُخ پیڈ لکھ دینا۔ اس کا باعث تھا۔ دو پیسے تمہارے کھاتے میں لکھوا دئے۔ اکٹھا دعوئ مع سود کے ہو جائے گا۔

شہزادی صاحبہ بچاری کو کیوں قبر سے اُکھیڑ لیا۔ تم کو مردے زندہ کرنے بھی آتے ہیں۔ دیکھو زندگی اس کا نام نہیں وہ کچھ اور چیز ہے۔

۷۸۶ درگاہ شریف ۱۲ر جولائی ۱۹۱۵ء

دہلی سے واپس ہو کر خط ملا۔ دیکھ کر جی بیقرار ہو گیا۔ بیشک فنا اور خاتمہ کا

ایک وقت مقرر ہے۔ مگر تم مایوس نہ ہو۔ خدا نہ کرے کہ دشمن مدعیوں کی ایسی ویسی ہو۔ تمہارا مرض ایسا نہیں ہے۔ جس سے جانبری نہ ہو سکے۔ چندروزہ تکلیف ہے۔ جاتی رہے گی۔

خیریت نامہ لکھ نہ سکو تو کسی سے لکھوا کر بھجواؤ۔ جب تک خط نہ آئے گا۔ فکر مندی رہے گی۔

۴۸۶ درگاہ شریف ۱۳ر جولائی ۱۹۱۵ء

تمہارے خط نے ازحد مضمحل کر دیا۔ کم بخت کیا مرض ہے۔ جس نے اس قدر سر اٹھایا ہے۔ میں عید سے دو روز پہلے دہلی آؤں گا تو اس وقت زبانی سب حالت سنوں گا۔

۴۸۶ اجمیر شریف ۷ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۵ء

خط آیا۔ تم ہراساں نہ ہو۔ خدا میں سب قدرت ہے۔ وہ ٹوٹی کو جوڑ دیتا ہے مایوسوں کو نواز دیتا ہے۔ اس کو ہر بات پر قدرت ہے۔ میرے گڑگڑانے اور عاجزی سے دعائیں کرنے سے اس کو ضرور رحم آئے گا۔

۱۹۰۶ء

دُوسرا حِصّہ

اوپر کا لفافہ

نامی مسلمانوں کے خطوط کا

یعنی

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا خبر تھی۔ دو پیسہ والے لفافوں اور پیسے والے کارڈوں کو جب وہ لال رنگ کے صندوق میں ڈالے گئے تھے کہ ان کے اندر اردو زبان کا میگزین بھرا ہوا ہے۔ لیٹر بکس کے اندر جا کر انہوں نے لالہ سلڑمل کی چٹھیوں کا جمگھٹا دیکھا۔ جن میں گیہوں باجرے اور گھی کا بھاؤ لکھا ہوا تھا۔ یا سیٹھ قاسم بھائی ہارون جی کا ایک لفافہ تھا۔ جس پر پتہ درج تھا

بمبئی۔ پاؤں دھونی کے سامنے جی جی بائی کی چال میں تیسرے مالے

پر اسمال جوزف کمپنی کے ڈاڈیں بازو عبدالحسین آدم بھائی کو دینا۔

یہ کارڈ لفافے صندوق الخطوط کی برادری میں مجبوراً چلے تو گئے مگر دل ہی دل میں ڈاک خانہ والوں پر دانت پیستے تھے کہ ان پیسہ پرستوں نے گھوڑے گدھے کو ایک جگہ باندھ رکھا ہے۔

ان کاغذی پتلوں کو اگرچہ اپنی شان معلوم نہ تھی۔ نہ ہو۔ ان کے اندر کی شوخیاں خود بخود ان کے جگر میں چٹکیاں لیتی تھیں۔

لیٹر بکس کے ایک کونہ میں کچھ انگریزی لکھے ہوئے لفافے بھی پڑے تھے۔ انہوں نے جوار دو کے ان کارڈ لفافوں کو دیکھا کہ بانکے ترچھے تیوروں سے اپنے پڑوسیوں کو دیکھ رہے ہیں۔ تو غرا کر بولے۔ یہ کیا تمکنت ہے۔ سر نیچا کر کے بیٹھو۔ اس گھر میں سب برابر ہیں۔ باہر نکلوگے۔ مکتوب الیہ کے پاس جاؤگے تو فخر کر لینا۔

یہ سنکر اُردو کے ایک لفافہ نے اپنے ساتھیوں کو غور سے دیکھا۔ کہ کون کون موجود ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی کا کارڈ ہے۔ مولانا شبلی کا لفافہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا مکتوب ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال کا لیٹر ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا صحیفہ ہے۔ حکیم نورالدین خلیفہ مرزا صاحب کا نامہ ہے۔ اور نواب محسن الملک اور مولانا حالی کے خطوط ہیں۔ تو وہ نامور ہمراہیوں کی پشتی سے بھروسہ پر کڑک کر انگریزی، ہندی، گجراتی زبان کے خطوط سے دوبدو ہونے لگا۔ اور کہا۔

خاموش میں شمس العلماء خان بہادر مولانا ذکاء اللہ کا نوشتہ ہوں۔ جو اُردو لکھنے کی مشین تھے جنھوں نے بڑی بڑی علمی کتابیں لکھی ہیں۔ جب میں نے اس مکان میں غلط اردو اور جوار باجرے کے خط دیکھے تو اس ناجنس صحبت سے جی گھبرایا۔ تم کو ہماری طبیعت میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ تم کو تو ہم نے کچھ نہیں کہا۔ ہم جانتے ہیں کہ تم ہم سے زیادہ عزت والے ہو۔ مگر ہندوستان میں جو عام قبولیت ہم کو ہے وہ تم کو نصیب نہیں ہماری انگریزی سرکار نے بھی اپنے دفتروں میں ہمیں ہی جاری کیا ہے۔ اس ملک میں کروڑوں

آدمیوں کی ہم مادری زبان ہیں۔ کروڑوں ہم کو سمجھتے ہیں۔ کروڑوں میں ہمارا رواج ہے۔ ذرا آگے بڑھ کر دیکھو تو سہی کس آن بان کی چٹک دار اردو ہمارے اندر درج ہے۔ یہ سنکر انگریزی خطوط آگے بڑھے۔ اور ان کو پڑھا تو حیران رہ گئے۔ ظرافت کی شان نرالی۔ متانت کی ادا انوکھی۔ اظہارِ حال کا طریقہ جداگانہ۔

اس پر انہوں نے بڑی خوشی ظاہر کی۔ اور کہا ہیلو ہیلو اردو۔ ہم مسرور ہیں کہ تم نے انگریزی تاج کی سرپرستی میں اتنی ترقی کر لی۔ ہم تم دونوں ایک ہیں۔ بیشک تم ہندوستان کے چوٹی کے نامی و شہرۂ آفاق اردو ادیبوں کی نشانیاں ہو۔ جتنا فخر کرو کم ہے۔

(۳)

دریبہ کلاں میں منشی غلام نظام الدین صاحب کتب فروش اپنی شاندار دوکان میں میلا سا درویشانہ کمبل اوڑھے بیٹھے تھے۔ دریبہ کے سارے بازار میں جو کتاب میسر نہ آتی تو لوگ ان کے پاس آتے کہ ان کے ہاں ہر فن کی نایاب کتابوں کا میل رہتا ہے۔

کیوں جناب! اردو خطوط نویسی کی کوئی کتاب ہے جس کو دیکھ کر نئے زمانہ کی شائستہ خط و کتابت آجائے۔ اور جن کو اردو آتی ہے وہ اس سے زبان کے چٹخارے لیں۔

منشی صاحب۔ جی ہاں۔ یوں تو بہتیری کتابیں ہیں۔ مگر غالب کے اور آزاد مرحوم کے مکتوبات میں وہی بات ہے۔ جس کو آپ چاہتے ہیں۔

ذرا دکھائیے۔

لیکن ہو تو دکھاؤں خواہ مخواہ حیران نہ کیجیے؟

اجی حضرت دکھلائیے تو سہی۔ آپ تو پہلے ہی سے حجتیں کرتے ہیں۔

حجت یہی ہے دیکھنے والے فضول وقت ضائع کرتے ہیں۔ شوق تو اچھی اردو کا اور جب قیمت سنتے ہیں تو چونک پڑتے ہیں۔ کہ اتنی سی کتاب کے اتنے زیادہ دام۔ انگریزوں

کو دیکھو۔ دو پیسہ لاگت والی کتاب دو روپے دے کر لیتے ہیں۔ جبکہ ان کو مصنف اور تصنیف کی خوبی معلوم ہو جائے۔ ہمارے ہندوستانی بھائی زبانی اشتیاق میں تو آندھی۔ ٹکے خرچنے کا وقت آئے تو تیوری چڑھاتے ہیں کہ اتنی قیمت کیوں رکھی۔

میاں مضمون کا مول ہوتا ہے محنت کی قدر دانی ہوتی ہے۔ ہیرے اور بلور کی شکل یکساں ہے۔ قیمت یکساں نہیں ہے۔

آپ نے تو ایک لیکچر دے ڈالا۔ ہمیں کتاب دیجئے۔

لیجئے۔ دیکھئے

دام تو آپ نے واقعی زیادہ کہے۔ شرر کے ناول بھی اتنے مہنگے نہیں ہیں۔

جائیے! جائیے میں تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ آپ مغز خالی کرنے آئے ہیں۔ میں ایک بات کے سوا دوسری بات نہیں جانتا۔

اچھا خیر دید یجئے۔ خفا نہ ہوجیے۔

بھائی یہ بڑے سلجھے ہوئے کتاب فروش ہیں۔ ان کی روکھی باتوں پر نہ جانا معاملے کے کھرے۔ بات کے پکے۔ پرانی وضعداریوں کی زندہ نشانی ہیں۔ ہم کو موقع نہ ملا۔ ورنہ ان کی باتیں سنتے۔ بڑی سمجھ کی گفتگو کرتے ہیں۔ الفاظ سیدھے سادھے ہوتے ہیں۔ مطلب بہت گہرا ہوتا ہے۔

انہوں نے سچ کہا ہم پر اپنے اردو علم ادب کی قدر فرض ہے۔ بیہودہ باتوں میں سینکڑوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ تھوڑا سا اپنی زبان کی ترقی سرمایہ میں خرچ کر دیا کریں تو کتابیں شائع کرنے والوں کی ہمت بڑھے۔ اور چند روز میں اردو زبان علمی ذخیرہ سے مالا مال ہو جائے۔ اب خط و کتابت کی ضرورتوں کے لئے اچھی کتابیں صرف دو ملیں۔ ملک میں اردو لکھنے والوں کا گھاٹا نہیں ہے۔ قدر ہوتی تو اسی مضمون کی سینکڑوں کتابیں تیار ہو جاتیں۔

حالت تو ہماری یہ ہے کہ ایک شخص کوئی کتاب لکھتا ہے۔ ہزاروں پریشانیوں سے روپیہ فراہم کرکے اس کو چھپواتا ہے۔ لیکن جب بکری کا وقت آتا ہے تو سب سے پہلے اس شخص کے دوستوں کی یورش ہوتی ہے کہ ہم کو بلاقیمت کتاب ملنی چاہیئے۔ دی تو ایک آدھ ورق دیکھکر کسی کونہ میں ڈالدی۔ نہ دی تو بگڑ گئے۔ دوستی قطع ہوگئی۔ جگہ جگہ شکوے ہونے لگے۔ میاں کو دو حرف لکھنے کیا آگئے ہیں۔ طوطہ چشم بن گئے۔ ایک رُپلی کی کتاب میں بھی بخیلی کی۔ اور آنکھ چرا گئے۔

انگریزوں پر خیال کرو۔ ان کے ہاں سب سے پہلے مصنف کے دوست احباب کتاب خریدتے ہیں۔ اور اسکو دوستی کا حق سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے انگریزی زبان مالامال ہے۔ اور اردو مفلس قلاش۔

(۳)

خدا کی مار اس نئی روشنی کو ہر چیز بدلے دیتی ہے۔ گفتار کو اس نے بدلا۔ رفتار کو اس نے بدلا۔ دستار اس کے ہاتھوں تبدیل ہوئی۔ کردار کی کوئی کل اس نامراد نے سیدھی نہ رکھی۔ خط وکتابت ہی کو دیکھو۔ نہ وہ پہلا سا لمبا کاغذ ہے۔ نہ تیز روشن سیاہی ہے۔ نہ چوبی قلم ہیں۔ نہ القاب نہ آداب۔

جس کو دیکھو نئے زمانہ کی ریس میں مختصر دو سطریں لکھتا ہے۔ خط کیا لکھتا ہے سر سے بلا ٹالتا ہے۔ نہ خیریت کی خبر نہ عافیت کی اطلاع۔ نہ بڑے کی حرمت نہ چھوٹے کا رکھ رکھاؤ۔ جو قلم کے منہ میں آیا بکتے چلے گئے۔

یہ اگرچہ دل دُکھانے والی بات ہے۔ مگر انصاف سے دیکھو تو اس میں آرام بھی بہت ہے۔ پہلے زمانہ میں خط وکتابت کی اتنی کثرت کہاں تھی۔ اب تو گیا گزرا شخص بھی دو چار خط روز لکھتا ہے۔ اور دو چار خط اس کے نام آتے ہیں۔ القاب آداب اور عبارت کی اونچ نیچ کو دیکھے یا اپنا مطلب ادا کرے۔ ضرورتیں بڑھ گئیں وقت کم

رہ گیا ہے۔ اب تو ہر کام میں پھرتی اور صفائی ہونی چاہیئے۔ خط بھی وہ اچھا جس سے لکھنے والے اور پڑھنے والے دونوں کو آسانی ہو۔ اگلے وقتوں میں خط کا آدھا حصہ القاب و آداب اور رسمی تکلفات میں خرچ ہو جاتا تھا۔ اور آدھے میں اصل مطلب آتا تھا۔ وہ بھی پیچیدہ رنگین عبارت کے سبب بیچ سے ادھورا رہ جاتا تھا۔

خدا بخشے غالب و آزاد کو اور ان کے بعد سید احمد خاں۔ حالی۔ نذیر احمد خاں و نواب محسن الملک کو انہوں نے اردو خطوط نویسی میں نئی چال ڈھال پیدا کی اور مطلب ادا کرنے کے طریقے بتا گئے۔

غالب اور آزاد تو اس فن کے قدرتی استاد تھے۔ خط کیا لکھتے تھے۔ بولتی ہوئی زبان لفافہ میں بند کر کے بھیج دیتے تھے۔

اب اردو زبان دنیا کی بڑی بڑی ترقی یافتہ زبانوں سے میل جول کر رہی ہے۔ نئے نئے خیالات۔ نئی نئی ترکیبیں اس کو سوجھ رہی ہیں۔ اس پر بھی خطوط نویسی میں پرانی لکیر کے فقیر رہے تو سارا زمانہ اس کے منہ پر تھوکے۔

(۱۴)

کیسی بوجھل کتاب تھی۔ ہاتھ تھک گیا تو زانو پر رکھی۔ وہ بھی شل ہو گیا تو لیٹ گیا۔ سینے پر رکھ کر پڑھنے لگا۔ دل گھٹنے لگا۔ سانس رک رک کر آنے لگا۔ تو غصہ میں آکر میں نے اس کو فرش پر دے مارا۔ کتاب ہے یا کوہ ہمالیہ یا نئے زمانہ کی قلعہ شکن توپ کا گولہ۔ میں باز آیا ایسے علمی شوق سے۔ مجھکو تو ہلکی کتاب چاہیئے۔ جس کا وزن بھی ہلکا ہو اور مضمون بھی ہلکا۔ بعض لوگ اپنی کتابوں میں وہ موٹے موٹے الفاظ لکھتے ہیں کہ مجھ جیسی موٹی سمجھ والا بھی مطلب نکالنے سے ہانپ جاتا ہے۔

اردو زبان سیکھنے کا شوق ہے۔ اسی کی خاطر یہ ثقیل کتابیں لایا ہوں۔ ایک صاحب کہتے تھے اردو سیکھنی ہو تو نامی انشا پردازوں کی کتابیں پڑھو۔ ناول تو دیکھ لئے

اب تاریخ کا شوق ہوا تھا۔ مگر اس کتاب کا قوبنٹا بھی موٹا اور بات بھی موٹی۔
چاہتا ہوں خط و کتابت کی کوئی کتاب پڑھوں۔ ایسی کتاب ہو جس میں فرضی خط نہوں۔ یعنی کسی مصنف نے لوگوں کی تعلیم کے لئے ان کو تصنیف نہ کیا ہو بلکہ اس میں اصلی تحریریں ہوں۔ اسمیں یہ فائدہ ہے کہ لکھنے والے کی مختلف حالتوں کی تصویر ہوتی ہے اور پڑھنے والے کی مختلف حالتوں میں علیحدہ علیحدہ اثر کرتی ہے۔ اور اسکو فائدہ پہنچاتی ہے۔
خدا کرے کوئی ایسی کتاب ملجائے جس کا لکھنے والا بھی مشہور ہو۔ زبان بھی مستند اور صاف لکھتا ہو۔ آسان لکھتا ہو۔ خشک ملا نہ ہو۔ کچھ چٹخارے بھی لینے جانتا ہو۔ نرا پھکڑ بھی نہ ہو۔ کچھ کام کی باتیں بتاتا ہو۔ آوردی نہ ہو۔ آمد کے جواہر بکھیرتا ہو۔ مل گئی تو جو قیمت ہو گی دوں گا۔ اور اس کو لوں گا۔

(۵)

امریکہ کا راک فیلر۔ مٹی کے تیل کا بادشاہ۔ بمبئی کا ٹاٹا لوہے کا بادشاہ۔ ہم مسلمان جو ہندوستان میں رہتے ہیں۔ حرفوں اور لفظوں کے بادشاہ۔
ذرا دیکھنا ہمارے اخباروں کو۔ کاغذی کالم۔ لشکری کالم نظر آتے ہیں۔ حرفوں کی یورش ہوتی ہے۔ الفاظ گولہ باری کرتے ہیں۔ اور ہمسایہ قوموں کو معلوم ہوتا ہے کہ ہم بڑے ہی جنگ جو اور لڑاکو ہیں۔ حقیقت پر غور کرو تو صفر۔ سوائے اس کے کہ ہماری شاعری نے باتونی بنا دیا ہے۔ معشوق کو بھی میدان حرب کا سپہدار تصور کرتے ہیں۔ بیچارے خاک کے پتلے کی آنکھیں تیر۔ بھویں کمان۔ پلکیں برچھی دکھائی دیتی ہیں۔ عالم خیال میں وہ محبوب ہر وقت خنجر سے قتل کرتا رہتا ہے۔
یہ ادبی حرب و ضرب الفاظ تک محدود ہے۔ اور خدا کرے یہیں تک محدود رہے کیونکہ امن بڑی چیز ہے۔
آج کل کے زمانہ میں مسٹر محمد علی۔ مسٹر ظفر علی۔ ابوالکلام صاحب آزاد۔ ڈاکٹر

شیخ محمد اقبال صاحب اور مولانا سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی اردو کے بے مثل ادیب ہیں۔

علامہ شبلی رحلت کرگئے وہ بھی اسی زمرہ میں تھے۔

مسٹر محمد علی کو ادیبان اردو میں شریک کرنا کچھ زیادہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ انگریزی زبان کے دیسی ادیب ہیں۔ لیکن ذکر گرماگرم اردو کا ہے جس کے الفاظ رزم گاہ کی گولہ باری کی طرح گرجا کرتے ہیں۔ مسٹر محمد علی نے ہمدرد جاری کرکے تھوڑا بہت اس کوچہ کا استحقاق بھی حاصل کرلیا ہے۔

مسٹر ظفر علی پنجابی ہیں۔ مگر اردو شیخ عبدالقادر کے برابر لکھتے ہیں۔ نثر کی ہجو لکھنے میں وہ مرزا حیرت دہلوی سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ مرزا حیرت صاف اور عامیانہ زبان لکھتے ہیں۔ ظفر علی عربی چادر منہ پر ڈال کر حریف سے پنجہ کرتے ہیں۔ کسی کو یہ پسند ہے کسی کو وہ۔

ڈاکٹر اقبال سلیس اردو پر قادر نہیں ہیں۔ مگر جذبات کو متحرک و مضطرب کردینے کی ان کو بڑی قدرت ہے۔ حیات انسانی کی مختلف شاخوں پر جس خوبی سے وہ لکھتے ہیں اور جو سوز کی تاثیر پیدا کرسکتے ہیں اور کسی میں یہ بات کم پائی جائے گی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا درجہ انشاء پردازی سوائے اکبر الہ آبادی کے اپنے عہد کے سب ادیبوں سے بڑھا ہوا ہے۔ تقریر تحریر کے یکساں قادر الکلام ہیں مشکل نویسی اور اردو لغات جدیدہ کی ایجاد ان کا موضوع زندگی ہے۔ اور انسان کی جبلت اور دقت کے احساس کو جتنا وہ سمجھ سکتے ہیں۔ غالباً بہت کم لوگوں کو یہ نعمت نصیب ہوگی۔

علامہ شبلی مورخ تھے۔ مبالغہ کی رنگینی سے ان کا قلم محفوظ تھا۔ تاہم سادہ نگاری میں بھی ایسی دبی ہوئی شوخیاں لکھ جاتے تھے کہ انسان گھنٹوں مزے لیا کرے۔

حضرت اکبر الہ آبادی ادیبان دور حاضرہ کے سرتاج ہیں۔ ان کی ہر ادا خود ایجاد ہے۔ ہر بندش بولتی ہوئی تصویر ہانی و بہزاد ہے ان کی تحریر مختصر ہوتی ہے۔ مگر اپنے اندر

جذبات کے سمندر اور واقعات کے آسمان زمین رکھتی ہے۔ اس پر جدت۔ الوکھاپن۔ ذہن انگنی۔ عام فہمی کے جوہروں سے لبالب (یہ عبارت حضرت اکبر کے وصال سے پہلے کی ہے)

ان کی شاعری ایسی اثر دار ہے جس کا قبضہ ہندو مسلمانوں کے دلوں پر یکساں پایا جاتا ہے۔ بچہ بچہ کی زبان پر ان کے اشعار ہیں۔ لطف یہ ہے کہ جن کی مذمت میں شعر ہوتا ہے وہی اس کو جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ جناب اکبر اخلاص سے لکھتے ہیں۔ اور بوئے عناد سے اپنے کلام کو آلودہ نہیں ہونے دیتے۔ یہ بات ہر شخص کو میسر نہیں ہے۔ خدا کی دین ہے جس کو چاہے دے۔ اور خدا نے اس زمانہ کے اردو ادیبوں میں صرف اکبر کو اس نعمت کے لئے منتخب کیا ہے۔

(۶)

مدت سے میری خواہش تھی کہ ناموران ہند کے اردو خطوط کا مجموعہ یکجا شائع ہوتا کہ باہمی تحریروں کے ملاکر دیکھنے سے ایک دوسرے کی روش تحریر کا فرق معلوم ہو۔ اور جو تحریر جس طبیعت کو پسند آئے اسی کی تقلید کرنے لگے یا ان سے الگ اپنے واسطے لکھنے کا راستہ پیدا کیا جائے۔ کیونکہ اس کے بغیر اُردو قیامت تک آگے نہ بڑھے گی۔

اس کے علاوہ میں یہ بھی چاہتا تھا کہ رہنمایانِ ادب اُردو کے وہ جذبات جو خانگی خط وکتابت میں مخفی ہیں۔ ان کی سطح عام پر نمائش ہو۔ جس سے ان کے مقلدین خط وکتابت کے طریقوں میں بھی ان کا نشان تقلید حاصل کر سکیں۔

میرے پاس ان مشہور و معروف حضرات کے خانگی خطوط عرصہ دراز سے رکھے تھے۔ کئی بار چاہا کہ ان کو شائع کردوں۔ مگر یہ خیال مانع آیا کہ چونکہ ان خطوط کا خطاب میری ذات سے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کو خودنمائی پر محمول کیا جائے۔ لہذا کئی دفعہ اس قصد کو ملتوی کر کر دیا۔

آخر اب میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس ذخیرۂ ادب کو چھانٹ کر ضرور شائع کر دیا جائے۔

ایسی کتاب کی خلقت کو بہت ضرورت ہے کیونکہ اب نئے نئے تعلیم یافتہ نوجوان بھی انگریزی میں خط وکتابت کو فخر نہیں سمجھتے۔ اور اردو نامہ نویسی پر متوجہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کی سمجھ میں آگیا ہے کہ اپنی زبان میں خطوط کا لکھنا پڑھنا قومی حیات کی لازمات میں ہے۔ میں نے انبار خطوط کو بہت مختصر کر دیا ہے جن میں کوئی ادبی خوبی نظر آئی انہی کو لیا۔ باقی کو قلمزن کر دیا۔

اس پر بھی بعض خطوط میں ایسے الفاظ رہ گئے ہیں جن میں میری تعریف ہے۔ کئی جگہ تو میں نے ان فقروں کو کاٹ دیا ہے لیکن بعض مقامات پر اس قطع وبرید سے مطلب خبط ہو جانے کا ڈر تھا۔ اس واسطے اس کو اسی طرح چھوڑ دیا۔

ناظرین کو چاہیئے کہ وہ حسن نظامی کی ذات نہیں۔ بلکہ کاتب کے ایک فرضی مخاطب کا خیال کر کے یہ عبارتیں پڑھیں۔

ڈاکٹر اقبال۔ مولانا ابوالکلام۔ علامہ شبلی کے خطوط زیادہ تھے۔ میں نے ان میں سے نصف سے بھی کم لئے ہیں۔ کیونکہ بعض مکتوب بالکل پرائیویٹ تھے۔ اور بعض میں کوئی ایسی ادبی بات نہ تھی جس سے پبلک کو تعلق ہوتا۔

حتی الوسع زیر اشاعت خطوط کے وہ فقرے کاٹ دیئے ہیں۔ جن کا شائع ہونا مرسلین خطوط کے خلاف سمجھا گیا۔ اور اپنی دانست میں وہی حصے شائع کئے ہیں جنمیں کچھ مضائقہ کی بات نہ پائی۔ اس واسطے ان حضرات کی اجازت کے بغیر ان کو شائع کرنے میں حرج نہیں دیکھتا۔

حضرت اکبر الہ آبادی کے چند خطوط محض نمونۂ ادب کے خیال سے اس مجموعہ میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔ ورنہ ان کا مجموعہ علیحدہ اور مستقل کتاب کی حیثیت میں شائع ہو گا۔[1] کیونکہ جناب ممدوح کے تقریباً ایک ہزار خطوط میرے پاس جمع ہیں۔ جن میں ہر خط کلیات اکبر کی ایک نظم کا ہم پلہ ہے

---

[1] شائع ہو گیا۔ دفتر حلقہ مشائخ دہلی سے ملتا ہے۔

اور جن سے حضرت اکبر کی افتاد زندگی کے جداگانہ حصوں کی حالت نمایاں ہوتی ہے۔
میں نے ایک کوشش اور کی ہے کہ ہر شخص کا ایک مکتوب خاص لکھنے والے کے قلم کا درج کرایا
ہے یعنی اصل تحریر کا عکس دیا ہے تاکہ دستخط اور روش تحریر کتاب پڑھنے والا اپنی آنکھ سے دیکھ لے
یہ بات ہمارے ملک میں تو کچھ دلچسپی کی نہیں سمجھی جائے گی۔ یورپ میں خلقت اس پر جان
دیتی ہے اور مصنفوں کی دستخطی تحریریں لاکھوں روپے میں فروخت ہوتی ہیں۔

(۷)

کتاب کے آخر میں نواب محسن الملک کے دو خط بھی درج کر دیئے ہیں جس سے انکی
انشا پردازی کا نمونہ معلوم ہو سکتا ہے۔ اور مولانا حالی کے ایک خط کا چربہ بھی ہے۔
لیکن وضاحت و تشریح کے قابل جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور حکیم نورالدین
صاحب اور شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ صاحب کے خطوط ہیں۔ ان کو علیحدہ اس واسطے رکھا گیا
ہے کہ یہ سب ایک مخصوص مضمون کے ہیں۔
مولانا ذکاء اللہ صاحب سے میں نے دریافت کیا تھا کہ آپ نے حضرت محبوب الٰہیؒ
کی کوئی کرامات دیکھی ہے یا نہیں۔ یہ خط اس سوال کا جواب ہے۔ اسی طرح علامہ شبلی
مرزا صاحب قادیانی۔ حکیم نورالدین۔ اور ابوالکلام صاحب کے خطوط کو تصور کرنا چاہیئے
کہ میرے ایک مخصوص سوال کے جواب میں ہیں۔ ان کو درج کرنے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک
تو یہ کہ ناظرین ان مشہور و معروف حضرات کا نمونۂ تحریر دیکھ سکیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے
خیالات صوفیائے کرام کے متعلق عیاں ہو جائیں۔
اس تمہید کے بعد ناظرین خطوط کو پڑھیں۔ ان کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ادب کے لحاظ سے
رکھی گئی ہے۔ میرے عقیدے میں اول درجہ جناب اکبر کے خطوط کا ہے۔ اس لئے وہ سب سے
اول ہیں۔ اس کے بعد ابوالکلام صاحب پھر علامہ شبلی اور اس کے بعد ڈاکٹر اقبال۔

حسن نظامی۔ دہلی

رین بسیرا۔ درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ آرام
۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۲ھ
۲۵ جنوری سنہ ۱۹۱۳ء

عکس دستخط خان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب جج الہ آبادی

۱۷-۱-۱۱

مرید پرور سلامت - ارادت دلی - کوی عنایت نامہ آپ کا نہن پہونچا -
خوشی ہوی کہ آپ اچھے ہیں خدا اچھا رکھے "اب کوی صورت آنے کی
نظر نہیں آتی" اس سے بہت مایوسی ہوئی ہاشم کے سبب مقید ہوں کسی تعطیل میں
اُنکو ساتھ لیکر آسکتا ہوں بہت گبراتا ہوں کہ کیا کروں حور بانو کو دعا

خاکسار
اکبر

۸ر نومبر ۱۹۱۳ء

الہ آباد

۲۸۶ مکرمی دل یہی کہتا ہے کہ خاموش ہو رہو۔ بخدا کوئی دلچسپی دنیا سے نہیں رہی - یہ تو
برسوں سے نہ تھی۔ شاید چالیس برس سے - البتہ ضرورت اس کی تھی - تاکہ فراغ خاطر حاصل
رہے - اب اسباب فراغ خاطر اس قدر کم ہو گئے ہیں کہ دنیا کچھ موافقت کرے بھی تو کیا۔
لیکن وہ موافقت کیوں کرنے لگی۔ اور اب تو وہ اس حالت میں ہے کہ صاحب بصیرت
کو اُدھر مائل ہو جانا بالکل ناممکن ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر اور حور کی علالت کا حال سنکر دل
چاہا - کہ فوراً اٹھوں اور دلی چلا آؤں۔ لیکن ہاشم کو کیا کروں۔ پہلے ہاشم نے کہا میں بھی
چلوں گا۔ پھر کہا میں دیکھ چکا ہوں۔ آپ جائیے گا تو میں تین دن پریاگ راج چلا جاؤنگا
جہاں ان کی بھاوج ہیں۔ دیکھئے کیا ہو سکتا ہے۔ خط لکھوں گا۔ (اکبر حسین)

الہ آباد - ۳۰ مئی ۱۹۱۳ء

۲۸۶

کل طبیعت پھر بگڑ گئی - ایک چمچہ دودھ بھی نہیں پیا۔ ہوش کی باتیں امید افزا تھیں۔

تو ہذیان سے پریشانی - دو دن سے سارے بدن میں درد کی سخت شکایت ہے - اور ایک انگلی کو بھی جنبش دینے کی طاقت نہیں ہے - کروٹ بدلنا ہفت خواں رستم طے کرنا ہے - ڈاکٹر کہتے ہیں زیادہ چت نہ لیٹیں - صرف گردن پھرتی ہے - اور جرعہ جرعہ چمچے سے دوا پی لیتے ہیں - آج دو چار چمچے دودھ کے پئے ہیں جس میں پانی ملا تھا - ڈاکٹر نیا نسخہ لکھ گئے ہیں حکیم صاحب نبض دیکھ کر اور ہوش کی باتیں سنکر کہتے ہیں کہ جسمانی ضعف ہے - لیکن روحانی یا اندرونی قوت میں کچھ کمی نہیں ہے - آپ کی ہمدردی اگرچہ نیچرل ہے - پھر بھی شکر گزار ہوں دعا کئے جائیے - ہاشم نے کل قریبًا یہ الفاظ کہے جس کا مصرعہ بن گیا -

میرے مالک مرے مولا مجھے اچھا کر دے

جی گئے تو اس مصرعے کی تصنیف کے دعویدار ہیں - (اکبر حسین)

۴۸۶ الہ آباد - ۱۳ار جون ۱۹۱۳ء

مکرمی - کارڈ پہنچا بیشک نازک وقت ہے - اور آپ میرے پاس ہوتے تو اچھا ہوتا - آپ شریک غم ہیں اور اہل دل - میرے تمام خیالات اور فلسفے پر ہنوز شدت الم غالب ہے، سینہ میں الجھن دماغ میں گرمی محسوس ہوتی ہے - بہت کم روتا ہوں لیکن دل ہر وقت بھرا ہوا - اور آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی رہتی ہیں - کوشش کرتا ہوں کہ ہاشم کے بدلے ہاشم آفریں کا تصور کر کے اس سے فریاد کروں - مدد چاہوں - لیکن وہ بھولی صورت اور پیاری آواز چشم و گوش پر ہنوز محیط ہے - پھر اس بچے کے ارمان اس کی بے بسی - اسکا اللہ اللہ کرتا رہنا - ناز کو چھوڑ کر اس چودھویں سال کی عمر میں بیکسانہ اور عاجزانہ فریاد پر آجانا - معاذ اللہ، ان باتوں کی یاد دل پر بجلیاں گراتی ہیں - میں تو اس کا مذہبی فلسفہ تلاش کرتا ہوں - یا قرآن و حدیث سے کوئی توضیح تاکہ دل کو فی الجملہ تسکین ہو - وہ لڑکا میری طبیعت کے سانچے میں ڈھل رہا تھا - انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتا ہوں - افسوس ہے کہ اس کے معانی پر بیشتر سے غور کر کے ان حوادثات کے لئے تیار نہ تھا -

اور سچ تو یہ ہے کہ کون تیار رہتا ہے۔ اناللہ کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی خدا کے لئے۔ لڑکا بھی خدا کے لئے۔ میں سمجھتا تھا لڑکا میرے لئے۔ بہرکیف دعا فرمائیے کہ طبیعت کو جلدی سکون ہو جائے اور بعد ازاں بشرط زندگی توجہ الی اللہ کی لذت ملے۔ (خاکسار اکبر حسین)

۳ر مئی ۱۹۱۴ء

۴۸۷

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ گرمی جمعیت حواس کی روادار نہیں اور خط لکھنے کے لئے میں اسی کا منتظر تھا۔ بہت کچھ کہنا۔ کیا دیکھا۔ کیا سنا۔ کیسی گذری۔ لیکن طبیعت بجا نہیں۔ ادھر آپ کو انتظار ہوگا۔ لہٰذا اس وقت صرف مہمان نوازی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ تولیا جو آپ نے مرحمت فرمایا۔ اس کو بروزن اولیا، پاکر دلی پاکی کے حق میں نیک شگون لیتا ہوں۔ خدم کو میری یاد دلاد یجئے۔ حور بانو کو دعا۔ محمد صادق صاحب کو تسلیم۔ بی جلّو کا شکریہ۔

خوش مزاجی و خلوص خدمت خاکسار۔ اکبر

الہ آباد ۲۶ر مئی ۱۹۱۴ء

۴۸۸

قدر افزائی اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کی خیریت نہیں سُنی۔ آپ کیسے ہیں۔ گرمی کی کچھ حد نہیں۔ ہوا نہ ہو تو ٹٹیاں کیا کریں۔ اور بھی احتباس ہو جاتا ہے۔ ولایتی پنکھا اس وجہ سے نہیں لگاتا کہ طبیعت اور بھی حساس ہو جائے گی۔ لیکن آج بمجبوری کہہ دیا کہ بندوبست کیا جائے۔ دوپہر سے پانچ چھ بجے تک کباب ہو جاتا ہوں۔ نیچر کو مزا آتا ہوگا۔ جو خدا کی مرضی۔

کچھ اشعار آپ کو بھیجنا چاہتا ہوں۔ لیکن حواس درست ہوں تو لکھوں۔ مختصر کارڈ بھی بار ہے۔ چٹنی کی میں نے شاید زیادہ شکایت کی۔ بجز کھٹّی کے کوئی عیب نہیں۔ امید ہے کہ ۲ یا ۳ جون کو مطول خط لکھ سکوں۔ آپ تو اجمیر شریف کی تیاریوں میں ہوں گے۔ کب جائیے گا۔ کب واپس تشریف لائیے گا۔ احتمال ہے کہ شاید آپ دہلی میں نہ ہوں۔

(اکبر حسین)

۷۸۶

الہ آباد - ۳ / اگست ۱۹۱۴ء

پیارے خواجہ صاحب اللہ تعالیٰ خوش اور تندرست رکھے۔ رات کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ یہ کیا معلوم کہ جو لکھنا تھا سب لکھ دیا۔ قلم کے ساتھ رہیں تو ادائے مطلب ہو۔ اکثر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قلم کہیں اور ہم کہیں۔ بار بار حواس کو مجتمع کرنا ہوتا ہے۔ پھر کیا سلسلہ قائم رہے۔ کیا بیان مدعا کی تکمیل ہو۔ اکثر یہ ہوا ہے۔ جوش دل سے کہا یا اللہ۔ ایک سکنڈ میں دل ہی سے جواب سنا۔ کہو کیا کہنا ہے۔ اب بالکل بھول گئے۔ کیوں پکارا تھا۔ کیا گذارش کریں۔ سبحان اللہ وبحمدہ کہہ کر رہ گئے۔ انتشار طبع کی باتیں۔ لیکن دفع غم کے لئے بھی یہ حالت کس قدر نافع ہے۔

دل ہی کو غم نہیں کہ ہوا مبتلائے غم ۔۔۔ غم بھی بلا میں ہے کہ ہوا مبتلائے دل

اس وقت مزاج پُرسی کا کارڈ پہنچا۔ روحانی قوت کا باعث ہوا۔ غش تو نہیں آیا۔ لیکن یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ تبخیر نے دماغ کی حالت دگرگوں کر دی تھی۔ خیر اب تو ترک صوم ہے اگرچہ اس کا افسوس ہے۔ یعنی کیوں دماغ ایسا کمزور ہو گیا کہ تبخیر کا تحمل نہیں کر سکتا۔ جان کیوں اتنی قوی ہے کہ غم دل شکنی کا تحمل کر رہی ہے۔ زندگی ہے تو ستمبر اکتوبر میں امید ملاقات ہے۔ حضرت احسان الحق صاحب اسوۂ حسنہ کیلئے مضمون مانگتے ہیں کچھ لکھ دوں گا۔

خاکسار - اکبر

۷۸۶

الہ آباد ۔۔۔ ۲۱/۶ ۱۹۱۵ء

الطاف فرمائے من! یہاں بارش نہیں ہوئی۔ شدت گرمی سے بے حواس ہوں۔ آج سال کا سب سے زیادہ بڑا گرم دن ہے۔ ۲۴ تک جان بچ گئی تو قیاس ہو سکیگا کہ گرمیوں سے بچ گیا۔

طرہ سنئے! ۱۵-۲۰ دن سے دانتوں کے درد میں مبتلا ہوں۔ یہ موسم اور برف کیسی سادہ پانی ایذا دیتا ہے۔ سخن سازی سے قطع نظر سخن بازی کر رہا ہوں۔ اللہ

جلد آرام عطا فرمائے۔ کھانے پینے کا افسوس نہیں ہے۔ نماز و قرآن میں انتشار سے انتشار ہوتا ہے۔ اللہ اس عقیدے کو خوش رکھے کہ تکلیف سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ میری جمع پونجی تو یہی ہے۔ خط کا جواب کل یا پرسوں لکھوں گا۔ اس وقت جمعیت حواس دشوار ہے۔ آپ نے خوب کیا سفر دکن ملتوی رکھا۔ شب برات کا لحاظ ضرور تھا۔ خیر رندوں کی آپ نے سنتے مردوں کی مروت ضرور تھی، لڑکوں کو دعائیں۔ بوڑھوں کو تسلیم۔ سب سے التماسِ دعا۔

اکبر

الہ آباد۔ ۱۳ر اگست ۱۹۱۵ء

۸۶ء

ڈیر خواجہ صاحب

میں کیا کہوں بدن پر کیا گزر رہی ہے۔ دل پر کیا گزر رہی ہے۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔ مگر شدت غیرت نے سب کو خاموش کر دیا ہے۔ ذہن کو نہیں، بلکہ زبانِ قلم کو۔ وہ زبان قلم نہیں جو خیالات کو نوٹ کر لیتی ہے۔ بلکہ وہ زبانِ قلم جو چل کر اڈیٹران تک پہنچتی ہے۔ رات جب تبخیر کی شدت تھی۔ جیسا قریباً ہر شب کو ہوا کرتا ہے۔ ذہن بھی غافل نہ تھا۔ یہ شعر کہا۔

> ہو سخن کا جب اثر ظاہر تو روک اپنی زبان
> شعلہ زن ہو جائے جب آتش تو پھر کیوں پھونکیے
> (اکبر)

نوٹ۔ حضرت اکبر کے مکتوبات سے صرف اُن خطوط کا اقتباس کیا گیا ہے۔ جن میں انکے مرحوم صاحبزادے ہاشم میاں کی علالت و وفات کا ذکر ہے۔ اور جن سے جذبات غم والم کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا ان خطوط میں حضرت اکبر کے لٹریچر کی مخصوص ظرافت و لطافت تلاش نہ کرنی چاہیے۔ اس کی دھوم دھام اس مجموعہ کبیر میں ہوگی۔ جو عنقریب علیحدہ شائع ہوگا۔ (حسن نظامی)

مولانا ابو الکلام صاحب کے مکتوب

۸۶ء

۱۱ کولوٹولہ سٹریٹ کلکتہ

۸ر دسمبر ۱۹۰۶ء

بھائی نظامی! کیا حال ہے؟ وکیل نے عدالت کی خبر سنائی۔ اور تم اپنے نحیف جثہ کو لئے ہوئے سامنے آگئے۔ افسوس کہ تم ڈاکٹری علاج سے متنفر ہو۔ بہرکیف جلد اچھے ہو۔ اور خدا کرے کہ کانفرنس میں آکر ملو۔ سفر بنگالہ کا اس سے بہتر پھر موقع ہاتھ نہ آئے گا۔

وسط جنوری سے ایک مستقل اخبار میری اڈیٹری میں کلکتہ سے نکلے گا۔ "دارالسلطنت" میری دلی خواہش ہے کہ اس کے پہلے نمبر میں تمہارا ایک دلآویز مضمون ہو۔ خدا نہ کرے کہ تمہاری علالت امید براری میں حارج ہو۔

میں نے دہلی میں تمہارا شام تک انتظار کیا۔ اور پھر مایوس ہو کر روانہ ہو گیا۔

(ابوالکلام آزاد دہلوی)

---

۸۶ بنگلہ حافظ حلیم صاحب کانپور ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۹ء

بھائی نظامی! عرصہ کے بعد تم ملے۔ اور پچھلی پُرازخلوص و بے تکلفانہ صحبتیں یاد آگئیں۔ مگر جھوٹ کا عادی نہیں۔ سچ یہ ہے کہ باوجود میرے مکرر سہ کرر اصرار کے تمہارا ایک دن کے لئے بھی نہ ٹھہرنا مجھے سخت گراں گزرا۔ یہ انکار اس لئے تو نہیں تھا کہ ایک عقیدت کیش کی معیت تھی۔ اور میری بے تکلفیاں خوف دلاتی تھیں کہ کہیں کوئی مضر اثر نہ پڑے؟ اگر ایسا خیال ہو تو کچھ بے جا بھی نہیں۔ کلکتے اور بمبئی میں خود مجھ کو اپنے احباب بے تکلف سے کبھی کبھی ایسا خوف ہو جاتا ہے مگر چند گھنٹوں کی صحبت میں اُن کا تو تم نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ ارادت اندیشوں کی موجودگی میں میرا سلوک کیسا ہوتا ہے؛ ہر شخص کی زندگی کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے کسی قدر متضاد و مختلف ہوں۔ خود میں گلیم زہد اور قبائے رندی کو ایک ہی وقت میں اوڑھنے پہننے کا مجرم ہوں۔ پس اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے ایک دوست سے جو سلوک میخانہ کی چھت پر کریں اسی کا مستحق اسے سجادہ خانقاہ پر بھی سمجھیں۔

اس کی طرف سے تو مطمئن رہو۔ اور مجھے تم اپنا سچا خیر خواہ اعزاز طلب اور دوست سمجھو جیسا کہ برسوں سے باہم سمجھا کئے ہیں۔ مگر خدا کیلئے یہ بتلاؤ کہ اس اعراض و اغماض کا کیا مطلب تھا؟ آج کل جو کام تم نے شروع کیا ہے گو میرا راستہ اس سے الگ ہے۔ مگر میں تو ہر راہ میں تیز گام ہوں۔ اگر ضرورت سمجھو تو یہاں مجھ سے کافی اعانت مل سکتی ہے۔

ابوالکلام آزاد دہلوی

۱۴۔ میکلاؤڈ سٹریٹ کلکتہ

۴۸۶

برادرم! پتہ بدل گیا ہے۔ آئندہ سے مندرجہ عندر نشان پر خط لکھا کیجئے۔ پرچہ پہنچا۔ کھولا تو آپ کا مضمون نظر پڑا۔ ودار تارے کے اثر نحوست کا اقرار۔ صلح اور نیز اس کے علاج سے اتفاق کلی۔ لیکن ۹۲ کی قید پر اصرار کیجئے گا تو مجھے مجبوراً الگ ہو جانا پڑے گا۔ یہ یُسر پسندی کے خلاف ہے۔ بہر صورت بھی تعجب کی تو "عم یتساءلون" کے جز اخیر کو نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ ایسے کاموں کے لئے تو سورۂ انا اعطینا اور قل ہو اللہ سے بڑھ کر اور کوئی مفید نہیں۔ بہتر یہی ہوگا کہ ۹۳ کے جزء دوم کو حذف کر دینے پر ہم آپ باہم سمجھوتہ کر لیں۔ اختلاف کو طول دینا مضر ہے۔ انصاف کیجئے۔ کہ اگر میں پانی دم کر کے گھر سے نکلوں کہ کلکتے کے تمام کونوں پر چھڑک دیا جائے تو دو ماہ سے پہلے واپسی ممکن نہیں۔

خیر یہ تو لطیفہ تھا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ سے کچھ ہنس بول لوں۔ اب یہ کہئے کہ جواب کیوں نہیں دیتے۔ دو خط لکھ چکا ہوں۔ اجمیر کا ارادہ قطعی کیجئے تو شاید میں بھی نکلوں۔ اگرچہ دقت نکلنا مشکل ہے۔ کیونکہ چاہتا ہوں کہ پہلی رجب سے اخبار نکال دوں۔

مشورۃً بہت کچھ کہنا ہے۔ بشرطیکہ پچھلے مراسلات کا جواب مل جائے۔ کلکتہ کا مکرر عزم کیجئے

ابوالکلام آزاد دہلوی

۱۳ ا۔ فورٹ اسٹریٹ بمبئی

۴۸۶

واحدی صاحب السلیم مضمون قصداً ناتمام بھیجا تھا کہ بیماری اور سفر کی حالت میں

جتنے صفحے قلم سے نکلے اُنھیں کو غنیمت سمجھ کر بھیجدینا مناسب نظر آیا۔ تین دن کے بعد پھر کچھ مہلت ملی تو باقی مضمون مرتب کیا۔ اور وہ بھی خواجہ صاحب کے نام کلکتہ بھیجدیا۔ حیرت ہے کہ ابتک صرف پہلی قسط کیوں بھیجی گئی۔ بہرکیف اگر ضائع ہو گیا ہے، تو اب نہ اتنی مہلت ہے کہ پھر لکھوں اور نہ اس میں اتنی اہمیت ہے کہ دوبارہ وقت صرف کیا جائے۔ یہ بھی خواجہ صاحب کا اصرار تھا کہ سرمد کے حالات لکھے۔ ورنہ تاریخ کے سینکڑوں ارباب اجتہاد و تجدید شکوہ سنج بے التفاتی ہیں۔ انھیں چھوڑ کر سرمد وغیرہ پر کون وقت ضائع کرے۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔

(ابوالکلام آزاد دہلوی)

۸۵

کلنگا بازار اسٹریٹ کلکتہ۔ ۱۳ر جون سنہ ۱۹۱۰ء

یہ متصل خاموشی کیوں؟ کہئے تو سرمد کا بقیہ مضمون لکھ بھیجوں۔ بمبئی سے آتے ہوئے سرمد یاد آ گئے تھے۔ ان کی رباعیات کا دیوان ساتھ لے لیا تھا۔ کبھی نظر پڑ جاتی ہے تو خیالات موجزن ہوتے ہیں۔ آپ چاہیں تو قلمبند کر کے بھیجدوں۔

علامہ امام الدین لاہیجی ثم الفنجابی دہلی میں آپ سے ملے نہیں معلوم نہیں کیسی گذری۔

ابوالکلام آزاد دہلوی

۸۶

۹۸ کلنگا بازار اسٹریٹ کلکتہ۔ ۱۵ر جون سنہ ۱۹۱۰ء

کبھئی اصل بات یہ ہے کہ عدیم الفرصت بہت ہوں۔ اپنے ذاتی اشغال کے علاوہ چند کام ایسے سر پڑ گئے ہیں کہ ایک گھنٹہ بھی فرصت کا نصیب نہیں ہوتا۔

چند تفصیلی مضامین بعض اہم معاملات کے متعلق ہیں کہ بہت جلد شائع ہو جانے چاہئیں۔ ان کی بھی فکر ہے۔ ان سب پر طرہ اخبار جو ۱۵ر رجب سے شائع ہو جائے گا پھر بعض تالیفات جنکو مکمل کر دینا چاہتا ہوں کہ جو زندگی عنقریب شروع ہونیوالی ہے وہ اکو

مہلت بہت کم دے گی۔

سرمد کا ذکر تو یوں آگیا کہ آپ خاموش تھے۔ اور چاہتا تھا کہ کوئی ذکر چھیڑ دوں کہ بات کا پہلو نکل آئے۔ قطعی وعدہ نہیں کرتا۔ پہلی رجب کو دیر ہی کتنی ہے۔ ممکن ہے کہ ایکدن ہاتھ آجائے۔ اور لکھ کر بھیجدوں۔ بمبئی پہنچا تو کتب خانہ پر نظر ڈالی۔ حالات بھی زیادہ معلوم ہوئے ہیں۔

کیا آپ کے اجمیر کا ارادہ ہے؟ ضعیف سا ارادہ میرا بھی ہے۔ اگر آپ کا آنا قطعی طور پر معلوم ہو جائے۔ تو ممکن ہے۔ ضعیف اپنی جگہ ارادہ مصمم کے حوالہ کرے۔ صاف صاف لکھئے واحدی صاحب کو خدا جلد شفا دے۔ یہ دوسری بات ہے۔ مگر مجھ سے پوچھئے تو آدمی کو ہمیشہ بیمار رہنا چاہئیے۔

(ابو الکلام آزاد دہلوی)

۴۸۶

ہمدردانہ کہتا ہوں کہ یہ آپ نے اچھا نہ کیا کہ لوگوں کو مخالف بننے دیا۔ مصلحت اندیشی اور حزم و احتیاط کا راستہ دوسرا ہے۔ کام خاکساری اور فروتنی سے کرنا چاہئیے کہ دشمنوں کو خاکسار بنانے کی گنجائش نظر نہ آئے۔ اب آپ کی مخالفت زور شور سے کیجائیگی۔ کلکتہ اس دنیا سے الگ ہے۔ مگر یہاں بھی مخالفانہ خیالات سخت درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔ ایک بہت بڑا مضمون لکھا جا رہا ہے۔ مجھ سے کہا گیا۔ میں نے کہا مجھے ان باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ چاہتا ہوں کہ کسی طرح اس آگ کو دبایا جائے۔ اگر آپ پسند کریں تو میں تفصیلی مشورہ دے سکتا ہوں۔

ابو الکلام آزاد دہلوی

عکس دستخط جناب مولانا ابو الکلام صاحب دہلوی

۱۴ مکلاوڈ اسٹریٹ کلکتہ

محبی

خط پہنچا تھا، علالت اور عدیم الفرصتی نے مہلت نہ دی،
اب تو خود حاضر ہو رہا ہوں نامہ بر کے منت پذیر کیوں ہوں
کل رات کو پونے گیارہ بجے کے دربار اسپیشل ٹرین سے
روانہ ہونگا۔ بشرط زندگی انشاء اللہ دہلی میں بہت جلد ملاقات ہو
واحدی صاحب کو سلام شوق

ابو الکلام

۴۸۶

۲۳ میکلاوڈ روڈ سٹریٹ کلکتہ ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۱۲ء

زادنا اللہ سبحانہ وایاکم حمیۃ الاسلام

خط پہنچا ۔ یہ سچ ہے ۔ مگر اس میں مصر و شام کی کیا خصوصیت ہے ۔ سیاحت قلبی کے جغرافیہ کی کوئی حد نہیں ۔

یہ تمام مواقع جو آپ نے لکھے ہیں ۔ پیشتر ہی سے پیش نظر تھے ..... کہ میں نے ان کی افسردہ جوابی پر ۶ صفحے کا خط لکھا ۔ جو اگر حس و غیرت مر نہیں گئی تو نشتر بن کر مدت العمر چبھتا رہے گا ۔ تمام سر برآوردہ مسلمانوں کا یہی حال ہے ۔ ان خوش پوش غلاموں سے کوئی امید نہیں ۔ علی گڑھ کی تحریک نے مسلمانوں کو عضو شل بنا دیا ہے ۔ لیکن بہر حال فرصت قلیل اور وقت نازک ہے ۔ فتحپوری میں جو مجلس ہوئی کافی نہیں ۔ اس کی روئداد بھی متضاد خبروں کا مجموعہ ایک صاحب حکیم جی کو صدر بتاتے ہیں ۔ دوسرے صاحب سرے سے شرکت محض ہی سے ساکت ہیں ۔ چندے کا طالب نہیں ۔ لیکن صرف ایک اجتماع عام ہونا چاہیئے ۔ باہم دعائے نصرت و فتح ، اصلی مقصود اتحاد بین الملّی اسلام کہ بنیاد حقیقی ...... و اصل رشتہ ارتقاء و اصلاح اسلام ہے ۔ اور اس کے لئے اس موقعہ سے بہتر اور پھر کوئی وقت نہ ملے گا ۔ آج کوئی وطنی یا مقامی تحریک مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی ۔ خواہ وہ یونیورسٹی کا افسانہ ہی کیوں نہ ہو ۔ جب تک تمام دنیائے اسلام میں ایک بین الاقوامی و عالمگیر اتحادی تحریک نہیں ہوگی زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چالیس کروڑ مسلمانوں کا کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں ؟ بہر حال یہ داستان طویل ہے مقصود صرف یہ ہے کہ سر دست ایک جلسہ کا انتظام ہو سکے ۔ جو عام اور زیادہ تر عام آبادی پر مشتمل ہو ۔ کچھ ضرور نہیں کہ دہلی کا کوئی سر برآوردہ یا خطاب یافتہ بھی اس میں شریک ہو ۔ آپ بھی اس پر غور کیجئے ۔ اور جلد جواب دیجئے ۔ آتے اتوار کو دوسرا جلسۂ عام ہے ۔ اس کے بعد قطعی ارادۂ سفر ۔ والاتمام من اللہ ۔

وانا الفقیر المکنی بابی الکلام الدہلوی

۴۸۶

۱۶ مئی ۱۹۱۳ء

از میرٹھ دفتر اخبار توحید

مولانا۔ السلام علیکم،

(۱) آپ کرامات اولیاء اللہ کے قائل ہیں؟

(۲) کیا آپ نے کوئی کرامت حضرت خواجہ اجمیریؒ کی دیکھی ہے؟

(۳) کیا آپ اجمیری خواجہؒ صاحب کی درگاہ اور عرس کو کسی حیثیت سے آج کل مفید سمجھتے ہیں؟ جواب دو سطری اور جلدی ہونا چاہیئے۔

(حسن نظامی)

علیکم السلام

(۱) قائل ہوں۔ (۲) اس کا اتفاق نہیں ہوا۔ (۳) ایک اتنا بڑا مذہبی اجتماع کیوں نہ مفید ہو۔ البتہ ضرور ہے کہ اصلاح کی جائے۔ نیز ضرور ہے کہ تبدیلیاں ہوں۔

(فقیر ابوالکلام)

علامہ شبلی کے خطوط

۴۸۷

آپ ہم کو عجیب برزخ کبریٰ ہاتھ آئے ہیں۔ جس کے ذریعہ سے مقدس آستانوں تک رسائی ہوتی ہے۔ وہ مبارک تحریریں بڑی خشوع سے جلسہ میں پیش کی گئیں شکریہ ان بزرگوں کی خدمت میں الگ الگ مرسل ہوگا۔

جلسہ خیر و خوبی سے ختم ہوا۔ آپ بہت یاد آئے۔ سرمایۂ مستقل کا ریزولیوشن پاس ہوا۔ اور دس بارہ ہزار کا چندہ ہوا۔ ہزار روپیہ آپ کے حقیر خادم نے بھی نذر کیا۔

والسلام

شبلی

۱۷ اپریل ۱۹۰۶ء

۴۸۶

مکرمی! کل ہی لکھنؤ آیا۔ اور آج والا نامہ پہنچا۔ تعمیل ارشاد بسر وچشم۔ لیکن حضرات صوفیہ کے متعلق میں کیا لکھ سکتا ہوں۔ یہ لوگ چشم باطن سے نظر آتے ہیں۔ اور یہ آنکھیں یہاں کہاں۔ عرس میں میں بھی ارادۂ شرکت کر رہا ہوں۔ انگریزی کس تاریخ کو ہے لیکن آؤں گا تو صرف دن کی حاضری ہوگی۔ شب کو دلی میں رہوں گا۔ کیونکہ ہجوم میں مجھکو نیند نہیں آسکتی۔

ہاں حضرت اس کے کیا معنی کہ البشیر کے لئے آپ حلقۂ صوفیہ سے خریدار بہم پہنچائیں اور ایک مذہبی اور علمی پرچہ الندوہ اس توجہ سے محروم۔

شبلی۔ ۲۳ مئی سنہ ۱۹۰۶ء

۴۸۷

قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند

ایک ہفتہ سے بیمار ہوں۔ بظاہر عرس شریف کے موقعہ پر حاضری کی امید نہیں۔

شبلی ۵ جون سنہ ۱۹۰۶ء

۴۸۸

ندوہ۔ لکھنؤ

آپ بھی غضب کرتے ہیں۔ علی گڈھ میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آپ صرف دو تین دن دہلی رہ سکتے ہیں۔ پھر میسور چلے جائیں گے۔ میں نے بخار کی حالت میں اتنی مدت کے لئے تکلیف اُٹھانا بے کار سمجھا۔ خیر اب پھول والوں کی سیر تک واپس آیئے گا یا نہیں۔

شبلی

۲۲ جولائی سنہ ۱۹۰۶ء

۴۸۶

مخدومی - علالت کی خبر سے افسوس ہوا لیکن آپ کے بخار کی طرح افسوس بھی عارضی ہے۔ آپ جلد اچھے ہوں گے۔ اور ہم لوگوں کی دعائیں بیکار نہ جائیں گی۔

آپ کا مسودہ مانگنا میرے لئے فخر کا باعث ہے۔ لیکن میں دو مہینے سے باہر ہوں۔ یاد نہیں کہاں رکھا ہے۔ کل لکھنؤ جاتا ہوں۔ ڈھونڈ کر ارسال کروں گا۔ ہاں یاد آیا مسودہ غالباً مطبع میں ہوگا۔

اسے لیجئے، پھر بھولا مطبع میں بھیجا گیا ہے۔ غرض بعد تلاش ارسال کروں گا۔ میں دہلی دو گھنٹے کے لئے اسٹیشن پر ٹھہرا تھا۔ آپ کی بیماری کا حال معلوم ہوتا تو دیکھتا آتا۔ جلدی یہ تھی کہ میری بھتیجی کا عقد تھا۔

شبلی ۳۰؍ دسمبر ۱۹۰۶ء

۴۸۶

السلام علیکم - کارڈ پہنچا۔ خدا آپ کو صحتِ عاجل دے۔

مسودہ کے حاضر کرنے میں ذرا بھی میری طرف سے بے اعتنائی ہو تو میں کافر کیا کروں تین چار برس کی تصنیف۔ حیدرآباد کا زیادہ قیام معلوم نہیں کن کاغذات میں رل مل گئے مطلق پتہ نہیں لگتا۔ ورنہ یہ تو میرے لئے فخر تھا۔ آپ کی استدعا کی بات تھی کسی کو لکھئے یا نہ لکھئے۔ لیکن مجھے تو دو کلمہ خیریت ضرور لکھ دیا کیجئے۔ امید ہے کہ خود حاضر ہو کر آستاں بوسی کروں گا، والتسلیم۔

شبلی

۱۷؍ نومبر ۱۹۰۶ء۔

لکھنؤ

۸۵ اعظم گڈھ

تسلیم، خدا کا شکر ہے کہ پیش کش قبول ہوئی۔ مدت کے بعد گھر آیا ہوں۔ بندہ زادہ اتفاق سے یہیں پیشکاری پر ہے۔ بہو کو بھی بلوایا ہے۔ چند روز بال بچوں میں رہنے کو جی چاہتا ہے۔

افسوس کہ شرکت عرس کی امید نہیں۔ ابھی گرمی میں سفر کا تحمل نہیں، برسات کے آغاز میں بمبئی اور حیدرآباد کا ارادہ ہے۔ شاہ سلیمان صاحب اور شاید آزاد بھی ہوں۔ آپ بھی کیوں اس پُر لطف صحبت میں شریک نہ ہوں۔ آزاد دارالسلطنت میں پھنسکر نکل گئے۔ اب وکیل نے ڈورے ڈالے ہیں۔ غریب نازک گردن کس کس سے بچ سکتی ہے۔

حضرت امیر خسرو پر کچھ لکھا تھا۔ وہ بھیجد یجئے تو الندوہ میں دیدوں۔ کبھی ہمارے کام بھی آئیے۔ یا ہمیشہ رقیبوں ہی کی قسمت میں رہئے گا۔

شبلی۔ ۵ ار مئی سنہ ۱۹۰۷ء

۸۶

تسلیم، دلّی کیونکر آتا حکیم صاحب نے اطلاع تک نہ دی۔ حمایت الاسلام کا قصد تھا۔ طاعون کی خبر سے رُک گیا۔

جی چاہتا ہے کہ چند روز امن و سکوت سے بسر کروں اگر خدا چاہے۔

شبلی۔ ۲۷ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء

---

۸۷ ۲۸ رمضان المبارک سنہ ۱۳۲۶ھ دفتر ندوہ لکھنؤ

بخدمت مکرمی جناب مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب زاد مجدکم

گرامی نامہ آیا۔ حالات معلوم ہوئے۔ مولوی عبدالحی صاحب اس زمانہ میں مبتلائے آلام و مصائب رہے۔ ان کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ وہ خود علیل رہے۔ اس لئے وہ

جواب خط دینے سے معذور رہے۔ اب وہ لکھنؤ سے آگئے ہیں۔ مگر ابھی ضعف باقی ہے۔
وفد کی کارروائی ابھی کچھ دنوں کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔ اس وقت سب سے
مقدم جلسہ سنگ بنیاد کی کارروائی ہے آپ کی شرکت تو ضروری اور یقینی ہے۔ لیکن آپکی
ذات سے صرف اسی قدر توقع نہیں۔ بلکہ یہ بھی امید ہے آپ کے اثر سے آپ کے بہت
سے احباب شریک ہو سکیں گے۔ اور اور بھی جلسہ کے متعلق آپ کی وجہ سے کامیابیاں
ہوں گی۔ ابوالکلام آزاد بھی آئیں گے۔ مولانا حالی مع نظم تشریف لائیں گے۔ نواب وقار الملک
بہادر اور علی گڈھ اور اودھ کے تمام تعلقدار اور رؤسا شریک ہوں گے۔ بہر حال
جلسہ کے ابتدائی آثار اچھے نظر آتے ہیں۔ آیندہ کامیابی خدا کے ہاتھ ہے۔ والسلام

شبلی ۲۵ ر اکتوبر ۱۹۰۸ء

۷۸۶

مکرمی۔ آپ کی کوششوں کا کیا کہنا۔ آیئے انشاء اللہ ہر طرح کا انتظام ہوگا قیام
خوراک، خاطر داری وغیرہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔
اکثر معزز حضرات آرہے ہیں۔ قیام اگر چاہیئے گا تو دار العلوم میں۔ ورنہ مقام تعمیر
میں خیمہ اور چھولداریوں کا انتظام کیا گیا ہے جو پسند ہو۔
لفٹنٹ گورنر بہادر نے الہ آباد میں سالانہ جلسہ یونیورسٹی میں جو اسپیچ دی۔
اس میں ندوہ کا خاص تذکرہ کیا۔ شبلی ۱۷ ر نومبر ۱۹۰۸ء

---

۷۸۶ ۲۰ ر نومبر ۱۹۰۸ء

مکرمی۔ کیا عرض کروں جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظامی کام ہے ایسے خود پرست
اور اناڑی ہیں۔ ابتک کچھ نہ کر سکے۔ مشائخین کو ہمیں دار العلوم میں شاید ٹھہرانا بہتر
ہوگا۔ خیر اسوقت تک فیصلہ ہو جائےگا۔

سائل صاحب آپ کے نہیں بلکہ میرے ہیں۔ میں نے دانستہ ان کو تکلیف نہیں دی
بہر حال ان کو آج ہی لکھتا ہوں۔

آزاد دو ہفتہ سے چپ ہیں — شبلی

عکس دستخط شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم

نظام المشائخ کا ذکر آپ نے کارڈ میں کیا لیکن ایک
کاپی بھی ابھی نہیں آئی۔ اب تک انتظار ہے۔
وہاں کی اب وہ کیفیت ہے کیا وہاں آؤں۔ کیا آپ
کچھ فیض دینگے یا دلائینگے۔
شبلی ۱۱ ستمبر ۱۹۰۹ء

۸۶

کل یا پرسوں روانہ ہوں گا۔ بشرطیکہ آزاد جو کلکتہ سے یہاں پہنچیں گے۔ بمبئی گھسیٹ
نہ لے جائیں۔ امید تو ہے کہ آپ کی کشش غالب رہے۔

شبلی ۱۶ ستمبر ۱۹۰۹ء

۸۷ — ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۹ء

برہان پور ٹھہرتا ہوا بمبئی پہنچا۔ لیکن بمبئی بے آپ کے بے لطف تھی۔
حلقہ کے مقاصد ضروری بلکہ ضروری تر ہیں۔ کہاں تک کامیابی ہو گی۔ یہ آپ کی
محنت و نکتہ سنجی اور زمانہ شناسی پر منحصر ہے۔ شبلی۔ پالن جی ہوٹل۔ بھائی کھلا بمبئی۔

مارچ سنہ ۱۹۱۰ء

۴۸۶

مکرمی، میں ابتک چشم براہ رہا۔ میں نے لکھدیا تھا کہ کل سے پھنساؤ ہو جائے گا۔ اس لئے مبارک بود فال فرخ زدن۔ آج ہی ہو نا چاہئے۔ میں حاضر ہوں۔ جب چاہے آئیے۔ آزاد ۸ بجے کی گاڑی میں آئیں گے۔

(شبلی)

---

۱۹ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء

۴۸۷

مجبوب المجبوب عربک اسکول میں جاکر خواجہ تصدق حسین سے معلوم ہوا (صاحب البیت او رہی بمافیہ) کہ ۱۱ بجے کوئی ٹرین نہیں جاتی اس لئے واپس آیا۔ ۶ بجے شام کو جاؤں گا۔ اگر قصد ہو تو ۵ بجے آجائیے۔ یہ کیا بات ہے کہ میں ایرانی المذاق نہیں۔ اور ہوتا بھی تو آپ میں کوئی ایرانی جوہر نہیں، تاہم آپ سے سیری نہیں ہوتی۔ دل میں آپ وہیں ہیں جہاں پہلے تھے۔

(شبلی)

---

۲۹ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء

۴۸۶

اب کے آپ جلسہ (ندوہ) میں تشریف نہ لائے تو عمر بھر کے لئے یاری کٹ۔ ایسے موقعے قسمت سے ہاتھ آتے ہیں۔ ضرور تشریف لائیے۔

(شبلی لکھنؤ)

---

۱۸ اپریل سنہ ۱۹۱۳ء

۴۸۶

جناب مکرم۔ السلام علیکم

۱۴ روز سے بعارضہ پیچش صاحب فراش ہوں۔ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہے۔ میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے مسلم گزٹ کے مضامین کے متعلق کچھ لکھنا میرے استفسار پر محول رکھا۔ یہ واقعہ میرے ذاتی اختیار سے نہیں ہوا۔ بلکہ تمام معتمدین اور کثرت ارکان کے مشورہ سے بھی مناسب سمجھا گیا۔ بعد صحت اس کے متعلق تفصیل سے لکھوں گا۔

(شبلی)

۶۸۶

۳۰ ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

تسلیم - اگر آپ جیسے قدر دانوں اور نکتہ سنجوں کا دل میری نظموں سے بھر گیا ہے تو عام لوگوں کے لئے بھی تو اجیرن ہو گیا ہو گا - اس سے بہتر ہو گا کہ میں یہ سلسلہ بند کر دوں ع -

از ان پیش بس کن کہ گویند بس

میں بمبئی سے تبدیل ذائقہ کے لئے حیدر آباد چلا آیا - کچھ دنوں غالباً رہنا ہو - آپ حیدر آباد کیوں نہ آئیں - آپ کے لئے تو ہر جگہ آنکھیں بچھی ہیں - یہاں سیرت کے متعلق بھی کچھ کچھ نیا مواد مل گیا ہے - ع

دانہ مے چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم

(شبلی)

۶۸۷

۷ ر نومبر ۱۹۱۳ء

تسلیم - میں نے گو دریافت نہیں کیا - (اب کروں گا) لیکن قیاساً کہتا ہوں کہ آپ شجرہ ممنوعہ میں نہ ہوں گے - یہاں سے عنقریب روانہ ہوتا ہوں - سر دست لکھنؤ - الٰہ آباد پھر وہی بمبئی - اب تو ارادہ ہے بمبئی میں مستقل مکان لے لوں - اور ملے تو مکین بھی -

عشق در ایام پیری چوں بسر ما آتش است

آپ کیا فتوے دیتے ہیں - اس شریعت کے امام تو آپ ہی لوگ ہیں -

شبلی
حیدر آباد

مرحوم

ڈاکٹر اقبال صاحب کے خطوط

مکرمی سید صاحب زاد عمرہٗ

دو دفعہ پیسہ اخبار میں میں نے وہ خبر پڑھی جسے پڑھکر لاہور کے تمام دوستوں کو بے انتہا تشویش تھی۔ مگر قدرت خدا کی مجھے مطلق رنج نہ محسوس ہوا۔ اور اسی بنا پر جس دوست نے مجھ سے پوچھا میں نے بے تکلف کہہ دیا کہ خبر غلط ہے۔ الحمد للہ کہ ایسا ہی ثابت ہوا۔ اور میں لاہور کے احباب میں مفت کا صوفی مشہور ہو گیا۔ ایسی خبریں زیادتی عمر کی علامت ہیں۔ میری نسبت بھی لاہور میں اسی قسم کی خبریں مشہور ہو گئی تھیں۔ والسلام

اس خبر سے کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ ملک کو آپ کی کس قدر ضرورت ہے۔ انشاء اللہ میں بھی تعطیلوں میں اگر ممکن ہوا تو آپ سے دہلی ملوں گا۔

میں کچھ دنوں کے لئے لاہور سے باہر تھا۔ اس واسطے آپ کے کارڈ کا جواب نہ لکھہ سکا۔

راقم آپ کا مفتون

اقبال از لاہور ۲۲ جولائی ۱۹۰۶ء

عکس دستخط جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹر پی ایچ ڈی۔ لاہور

قلب کو ستم - آستانہ محبوب پہ جا کر یوں کے ایک دم ٹھک گئی

ٹھہرونگی اور فرود ٹھہرونگا - ٹھیک بادِ نسیم پھر گردن

باقی حسرتیں - وسیلہ - آرزو اقبال اسی کی گوشت

از کیمبرج　　　　ٹرنیٹی کالج　　　　۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

اسرار قدیم سید حسن نظامی

ایک خط اس سے پہلے ارسال کر چکا ہوں۔ اُمید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گذرا ہوگا۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے اور بڑی شدت کے ساتھ۔ اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں۔ اور وجہ یہ کہ قرآن شریف میں جس قدر آیات صریحاً تصوف کے متعلق ہوں اُن کا پتہ دیجئے۔ سپارہ اور رکوع کا پتہ لکھئے۔ اس بارہ میں آپ قاری شاہ سلیمان صاحب یا کسی اور صاحب سے مشورہ کر کے مجھے بہت جلد مفصل جواب دیں۔ اس مضمون کی سخت ضرورت ہے اور یہ گویا آپ کا کام ہے۔

قاری شاہ سلیمان صاحب کی خدمت میں میرا یہی خط بھیج دیجئے۔ اور بعد التماس دعا عرض کیجئے کہ میرے لئے یہ زحمت گوارا کریں۔ اور مہربانی کر کے مطلوبہ قرآنی آیات کا پتہ دیدیں۔

اگر قاری صاحب موصوف کو یہ ثابت کرنا ہو کہ مسئلہ وحدۃ الوجود یعنی تصوف کا اصل مسئلہ قرآن کی آیات سے نکلتا ہے۔ تو وہ کون کون سی آیات پیش کر سکتے ہیں۔ اور ان کی کیا تفسیر کرتے ہیں؟

کیا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ تاریخی طور پر اسلام کو تصوف سے تعلق ہے۔ کیا حضرت علی مرتضیٰؑ کو کوئی خاص پوشیدہ تعلیم دی گئی تھی؟ غرضکہ اس امر کا جواب معقولی اور منقولی اور تاریخی طور پر مفصّل چاہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ ذخیرہ اس امر کے متعلق موجود ہے۔ مگر آپ سے اور قاری صاحب سے استصواب ضروری ہے۔ آپ اپنے کسی اور صوفی دوست سے بھی مشورہ کر سکتے ہیں۔ مگر جواب جلد آئے۔ باقی خیریت ہے۔

اقبال

۴۸۶

پُراسرار نظامی، کارڈ ابھی ملا۔ اس سے پہلے آپ کا نوازش نامہ نہیں ملا۔ ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کا خط آئے اور میں جواب نہ دوں۔

الاحسان کے دو نمبر بھی کل موصول ہوئے۔ خوب اور بہت خوب۔ کس قدر تغیر ہے ایک وہ زمانہ تھا کہ اس مضمون پر بات کرنا خلاف اصول طریقت تھا۔ اب یہ زمانہ ہے کہ ماہوار رسالے شائع ہوتے ہیں۔ اس کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے۔ لیکن کیوں صاحب آپ مجھے رسوا کر کے اب مشہور کرنے لگے۔ ع

اب مری شہرت کی سوجھی ہے انھیں دیکھے کوئی
مرٹ کے میں جس دم غبارِ کوئے رسوائی ہوا

اقبال۔ لاہور

۲۵ر اپریل ۱۹۰۶ء

سرمست سیاح کو سلام۔ متھرا۔ ہردوار۔ جگن ناتھ۔ امرناتھ جی سب کی سیر کی، مبارک ہو۔ مگر بنارس جا کر لیلام ہو گئے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔ بلکہ ہمارے میر صاحب نیرنگ اور اکرام کو بھی ساتھ لے ڈوبے۔

میرے پہلو میں ایک چھوٹا سا بت خانہ ہے کہ ہر بت اس صنمکدے کا رشک صنعتِ آذری ہے۔ اس پرانے مکان کی کبھی سیر کی ہے۔ خدا کی قسم بنارس کا بازار فراموش کر جاؤ۔ میں تو ہر قدم پر آپ کو یاد آتا تھا۔ کیوں نہ یاد آؤں۔ آپ بھی ہم کو یہاں عموماً یاد آیا کرتے ہیں۔ والسلام

آپ کا
محمد اقبال

لندن ۱۰ر فروری ۱۹۱۰ء

پیارے نظامی، آپ کا خط اور "رام کرشن" دونوں چیزیں پہنچیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ مجھے کبھی کبھی یاد فرمالیا کرتے ہیں۔ افسوس کہ جرمنی کے پتہ پر جو خط آپ نے لکھا وہ نہ پہنچا۔ بمبئی سے آپ کا ایک خط آیا تھا۔ اس کا جواب اسی پتہ پر لکھا تھا۔ معلوم نہیں پہنچا یا نہیں پہنچا۔ "رام کرشن" نہایت عمدہ ہے۔ جو طریق اشاعت مذہب حقہ کا آپ نے اختیار کیا ہے مجھے اس سے پوری ہمدردی ہے۔ مسٹر آرنلڈ صاحب بہادر سے آج اس کا ذکر آیا تھا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ اور آپ کی کتاب مجھ سے لے لی۔ کہتے تھے کہ میں نے ہندوستان میں بہت کوشش کی کہ سلسلۂ نظامیہ سے جو کوشش اشاعت اسلام میں کی ہو۔ اس کی تاریخی شہادت ملے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اگر آپ کے خاندان میں اس مضمون پر کوئی کتاب محفوظ چلی آتی ہو تو آگاہ کیجئے۔ اس کے علاوہ ان کی یہ خواہش ہے کہ ایک کاپی اس کتاب کی ملے جو آپ کے کسی دوست نے "کلکی پران" کے متعلق لکھی ہو۔ اور جس کا ذکر آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں کیا ہے۔ مسٹر آرنلڈ کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں میں اسلام پھیلانے کے لئے کبھی کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی۔ اور اب وقت ہے کہ ایسا کیا جائے۔ اس میں ہندوستان کیا ساری دنیا کا بھلا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ میری کامیابیوں پر جو لوگ آپ کو مبارکباد دیتے ہیں راستی پر ہیں۔ مجھ میں اور آپ میں فرق ہی کیا ہے۔ دیکھنے کو دو حقیقت میں ایک انگلستان میں میں نے اسلامی مذہب اور تہذیب و تمدن پر لکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ ایک لیکچر ہو چکا ہے۔ دوسرا "اسلامی تصوف" پر فروری کے تیسرے ہفتہ میں ہوگا۔ باقی لیکچروں کے معانی یہ ہوں گے: "مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر"، "اسلامی جمہوریت"، "اسلام اور عقل انسانی"، وغیرہ تمام دوستوں کی خدمت میں آداب کہئے۔

اور میرے لئے درگاہ شریف پر دعا کیجیے۔

آپ کا اقبال

پیارے نظامی۔ آپ کا کارڈ پہنچا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ کئی دنوں کی بیماری کے بعد کل بستر بیماری سے اٹھا ہوں مفصل خط پھر لکھوں گا۔ بلکہ کچھ عرصے کے بعد آپ کو لاہور آنے کی تکلیف دوں گا۔ آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں بعض لوگ آپ پر اخباروں میں حملے کرتے ہیں۔ افسوس ہے مسلمانوں میں معمولی اخلاق بھی نہ رہے۔ میں خود علی گڑھ کالج کی پروفیسری نامنظور کرنے سے ہدف ملامت ہو رہا ہوں مگر ؎

شادم ز طعنِ خلق کہ مرغانِ باغ عشق
شاخے کہ سنگ می رسدش آشیاں کنند

اقبال

سیالکوٹ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۸ء

پیارے نظامی! آپ کا خط پہنچا۔ پوسٹ کارڈوں کے لئے شکر گزار ہوں میں نے وی۔ پی کے لئے لکھا تھا۔ آپ نے کیوں تکلیف کی۔ یہ نیاز جو آپ کو پہنچی ہے۔ والدۂ مکرمہ کی نیاز تھی۔ قبول فرمائیے۔ بھائی صاحب کا ارادہ خود حاضر ہونے کا تھا۔ مگر شاید انھیں فرصت نہ تھی۔

آپ لوگوں کو میرا اشتیاق بناتے ہیں مجھے کچھ اعتراض نہیں۔ مگر اندیشہ ہے کہ مجھ سے مل کر انھیں مایوسی نہ ہو۔ میں نے سید صاحب موصوف کے نام ایک عریضہ ابھی لکھا ہے۔ ان کا خط اس خط میں ملفوف کرتا ہوں۔

آپ اپنی ہر تحریک میں بغیر پوچھے مجھے شریک تصور کیجئے۔ مگر جس درد نے کئی مہینوں سے مجھے بیتاب کر رکھا ہے۔ جو مجھے راتوں کو سونے نہیں دیتا۔ جو مجھے تنہائی میں رُلاتا ہے۔ اس کی وجہ مجھ سے پہلے سن لیجئے۔ پھر جو چاہے۔ کیجئے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اور آپ میرے ساتھ۔

کئی دنوں سے بیمار ہوں۔ دعا کیجئے کہ بالکل اچھا ہو جاؤں۔

آپ کا صادق

محمد اقبال

لاہور ۲۵ نومبر ۱۹۰۸ء

مخدومی خواجہ صاحب

آپ کے حلقے کا ذکر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجھے بھی اس حلقہ میں شامل تصور کیجئے۔ اور اہل حلقہ سے استدعا کیجئے کہ میرے حق میں دعا کریں۔ مجھے آپ سے ایک بہت ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اور اس میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ تاحال فارغ البالی سے بیٹھنے کا موقعہ نہ ہوا۔ ورنہ عرض کرتا۔ بہر حال آپ ایک نئی بات سننے کے لئے تیار رہیں۔ میرے خیال میں اور احباب بھی ہیں۔ جن سے ابھی تک ذکر اس امر کا نہیں آیا۔ تاہم وہ اس امر میں لیقین ہے۔ ہمارے ساتھ ہوں گے۔ اگر ممکن ہوتا تو میں ابھی آپ کو دہلی سے لاہور تشریف لانے کی خبر دیتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نادانستہ اسی طرف کو جا رہے ہیں۔ جس طرف میں آپ کو لانا چاہتا ہوں۔ اس بات نے مجھے جرأت دلائی ہے کہ میں آپ سے رہنے سہنے کا دکھ ظاہر کروں۔ بہت کم لوگ ہیں جو ہمدردی کے ساتھ اس قصئے کو سن سکتے ہیں۔ مگر آپ سے مجھے پوری ہمدردی کی توقع ہے۔ ابھی تک کسی دوست سے اس بات کا ذکر نہیں آیا۔ آپ سے ذکر ہو چکنے کے

بعد اگر مناسب ہوا تو بعض خاص دوستوں سے اس کا تذکرہ کروں گا۔ زیادہ کیا

عرض کروں۔ تاحال خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ امید ہے آپ بھی بخیریت ہوں گے۔

محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور

مخدومی و مکرم جناب خواجہ صاحب، السلام علیکم

حلقہ نظام المشائخ کے متعلق آج مسٹر محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا سے سن کر بڑی خوشی ہوئی۔

خدا کرے آپ کے کام میں ترقی ہو۔ مجھ کو بھی اپنے حلقہ مشائخ کے ادنیٰ ملازمین

میں تصور کیجیے۔

مجھے ذرا کاروبار کی طرف سے اطمینان ہولے تو پھر عملی طور سے اس میں دلچسپی

لینے کو حاضر ہوں۔ آپ نے اچھا کیا کہ محمد شفیع صاحب کے نام خط لکھا۔ میری طرف

سے مزار شریف پر بھی حاضر ہو کر عرض کیجیے۔ والسلام

محمد اقبال ۱۴ر جنوری سنہ ۱۹۰۹ء

لاہور ۲ر اگست سنہ ۱۹۰۹ء

مخدومی۔ رسالہ پہنچ گیا تھا۔ آپ کی دست بستہ دعا نے بڑا لطف دیا۔ میں فراموش

کار نہیں۔ البتہ اگر آپ کو یہ لقب دیا جائے تو موزوں تر ہے۔

کچھ دنوں سے بہت عدیم الفرصت ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ قانونی پیشہ میں

اس قدر مصروفیت رہے گی۔

پنجاب میں نظامی مشہور ہوں۔ اور آپ میری خبر نہیں لیتے۔

سیہ کار

محمد اقبال

لاہور ۲۴ جون ۱۹۱۲ء

مکرمی۔ ۱۲ روپیہ جس طرح آپ کے خیال میں آئے خرچ کر دیجئے۔ حلوا پکا دیجئے۔ یا خانقاہ کے متعلقین میں تقسیم کر دیجئے۔

آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے مگر کیا کروں علائق نہیں چھوڑتے۔ روٹی کا دھندا لاہور سے باہر نکلنے نہیں دیتا۔ کیا کروں عجب طرح کا قفس ہے۔ والسلام

آپ کا مخلص اقبال

مکرمی، السلام علیکم

خدا آپ کا بھلا کرے کہ آپ نے ہندوستان کے پرانے بتکدے میں توحید کی مشعل روشن کی۔ مجھے یقین ہے کہ دل اس کی حدت سے گرمائیں گے۔ اور آنکھیں اس کے نور سے منور ہوں گی۔ میں بھی اپنی بساط کے موافق کچھ نہ کچھ حاضر کروں گا۔

مسلمانان ہندوستان کی بیداری کے پانچ اسباب جو آپ نے اس ہفتہ کے توحید میں ارقام فرمائے ہیں بالکل بجا ہیں۔ لیکن آپ نے یہ نہیں لکھا کہ اقبال جس نے اسلامی قومیت حقیقت کا راز اس وقت منکشف کیا۔ جب ہندوستان والے اس سے غافل تھے۔ اور جس کے اشعار کی تاریخ زمیندار۔ کامریڈ۔ بلقان۔ طرابلس اور نواب وقار الملک کی حق گوئی کی تاریخ سے پہلے کی ہے۔ کس کا خوشہ چین ہے؟ شاعروں کی بدنصیبی ہے کہ اُن کا کام بُرا بھلا جو کچھ بھی ہو غیر محسوس ہوتا ہے۔ اور ظاہر میں آنکھیں مرئیات کی طرف قدرتاً زیادہ متوجہ ہوتی ہیں۔

اس خط کا مقصد شکایت نہیں اور نہ یہ کہ اقبال کے کام کا اشتہار ہو حسن نظامی کو خوب معلوم ہے کہ اس کا دوست اشتہار پسند مزاج لے کر دنیا میں نہیں آیا۔ مگر یہ مقصد اس خط کا ضرور ہے کہ ایک واقف حال دوست کی غلط فہمی دور ہو۔ تاکہ اقبال

کی وقعت اپنے دوست کی نگاہ میں محض اس خیال سے کم نہ ہو کہ اس نے مسلمانان ہند کی بیداری میں حصہ نہیں لیا۔

بکلام بیدل اگر رسی مگذر ز جادۂ منصفی
کہ کسے نمی طلبد ز تو صلۂ دگر مگر آفریں

خاکسار۔ اقبال

لاہور ۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء

خواجہ صاحب مکرم۔ اجمیر سے کوئی خط نہیں لکھا۔ اس بارے میں شاید آپ کی ہدایت پر عمل نہ ہو۔ زلف خواجہ کا اسیر، دام اقبال میں کیونکر آسکتا ہے۔ شیخ احسان الحق سے درخواست کیجئے کہ وہ اقبال کا اشتہار نہ دیں۔ میں ان کا اور آپ کا ممنون ہوں گا۔ اگر آپ مجھے اس زحمت سے بچائیں گے۔ آخر شاعری کی وجہ سے میں مشاہیر میں شامل ہوں گا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتا۔ اور نہ کبھی بحیثیت فن کے میں نے اس کا مطالبہ کیا ہے۔ پھر میرا کیا حق ہے کہ صف شعرا میں میں بیٹھوں اور کوئی وجہ شہرت نہیں ہے۔

دردانہ بیچاری موتیوں کا ہار دے سکتی ہے۔ مگر گردن دینے کی وہ بساط نہیں رکھتی۔

بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ "دردانہ" دے سکتی ہے۔ اگر یہ صورت ہے تو گردن کہاں باقی رہ جائے گی۔ وہ تو دردانہ کی ایک جزو ہے۔ والسلام

محمد اقبال از لاہور

ڈیر خواجہ صاحب، آپ کی سرکار سے جو خطاب مجھے عطا ہوا ہے اس کا شکریہ

اور کرتا ہوں۔ لیکن وہ مثنوی جس میں خودی کی حقیقت واستحکام پر بحث کی ہے۔ اب قریبًا تیار ہے۔ اور پریس جانے کو ہے۔ اس کے لئے بھی کوئی عمدہ نام یا خطاب تجویز فرمایئے۔ شیخ عبدالقادر صاحب نے اس کے نام اسرار حیات۔ پیام سروش۔ پیام نو آئین نو۔ تجویز کئے ہیں۔ آپ بھی طبع آزمائی فرمایئے۔ اور نتائج سے مجھے مطلع کیجئے۔ تاکہ میں انتخاب کرسکوں۔

آپ کا خادم دیرینہ

اقبال لاہور ۶ فروری سنہ ۱۹۱۵ء

نواب محسن الملک کے خطوط

جناب مخدوم و مکرم بندہ خواجہ حسن نظامی صاحب

عنایت نامہ پہنچا۔ آپ کی تشریف آوری کے ارادہ نے مجھے نہایت خوش اور مطمئن کیا جن مشائخ اور پیرزادوں کے نام آپ نے لکھے ان کے نام خطوط روانہ کردیئے مگر آپ بھی ان کو اپنی طرف سے آنے کے لئے لکھیں۔

جو حضرات تشریف لائیں گے، ان کے کھانے کا انتظام کالج کی طرف سے ہوگا۔ اور فیس کچھ نہ لی جائے گی۔ کرایہ ریل کے خرچ کا کالج متحمل نہ ہوگا۔ الا چار پانچ آدمیوں کا۔ جن کو آپ خرچ دینا ضروری خیال کریں گے ان کو میں اپنے پاس سے کرایہ ریل بھی دے سکوں گا۔

جو حضرات تشریف لائیں ان کے ناموں سے جسقدر جلد ممکن ہو اطلاع دیجئے مشائخوں کے آنے سے کالج کو بڑی عزت ہوگی۔ اور آپ کا بہت بڑا احسان کالج پر ہوگا

کہ آپ ان کو یہاں لائے۔

پچاس روپیہ بلکہ پچھتر روپے تک اگر کرایہ میں خرچ ہوں گے تو میں دوں گا۔ کیونکہ درحقیقت بعض حضرات اپنے پاس سے کرایہ خرچ کرکے آنے میں تامل کریں گے۔ مشہور اور نامور مشائخوں اور پیرزادوں کو کرایہ دینا ضرور ہے۔ مگر ایک سو روپیہ سے زیادہ دینا مشکل ہے۔ سو روپیہ تک کرایہ آنے جانے کا میں دیدوں گا

(محسن الملک)

علی گڈھ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۶ء

جناب مخدوم مکرم بندہ حسن نظامی صاحب

اخباروں میں یہ خبر دیکھ کر کہ اب آپ کی طبیعت رو بہ صحت ہے۔ نہایت خوشی ہوئی آپ کا دم غنیمت ہے۔ اور آپ ایک ایسے روشن خیال مشائخ میں جن کی قوم کو ضرورت ہے۔ خدا آپ کو صحت بخشے۔ اور امت مرحومہ پر رحم کرے۔ امیر صاحب کی تشریف آوری کے موقعہ پر آپ کا تشریف لانا نہایت مفید ہوگا۔ اور آپ اطلاع دیجئے کہ اور کن کن عالموں اور مشائخوں کو اس موقعہ پر دعوت دی جائے۔ آپ براہ مہربانی ان کے نام لکھ کر بھیجد یجئے۔ اور نیز آپ اُن کو یہاں آنے پر آمادہ کیجئے۔ جتنے مقدس اور بزرگ لوگ اس موقعہ پر آئیں گے اس سے قوم کو اور کالج کو بڑا فائدہ ہوگا۔

پرنس آف ویلز کی تشریف آوری کے وقت جو دعا نامہ آپ نے بھیجا تھا۔ اس کا بہت اثر ہوا تھا۔ یہ موقع ایسا ہے کہ آپ کو خاص اس پر توجہ کرنا لازم ہے۔

عکس دستخط نواب محسن الملک بہادر

مہدی علی

مرزا غلام احمد قادیانی کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم النبیین وصحبہ وآلہ وجمیع عباد اللہ الصٰلحین۔ امابعد۔ شعبان المبارک ۱۳۳۳ھ میں مجھے جب دہلی جانے کا اتفاق ہوا تو مجھے ان صلحاء اور اولیاء الرحمٰن کے مزاروں کی زیارت کا شوق پیدا ہوا جو خاکِ دہلی میں سوئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب مجھے دہلی والوں سے محبت اور انس محسوس نہ ہوئی تو میرے دل نے اس بات کیلئے جوش مارا کہ وہ ارباب صدق وصفا اور عاشقان حضرت مولیٰ جو میری طرح اس زمین کے باشندوں سے بہت سا جور وجفا دیکھ کر اپنے محبوب حقیقی کو جا ملے۔ ان کے متبرک مزاروں کی زیارت سے اپنے دل کو خوش کرلوں۔ پس میں اسی نسبت سے حضرت خواجہ شیخ نظام الدین ولی اللہ رضی اللہ عنہ کے مزار متبرک پر گیا۔ اور ایسا ہی دوسرے چند مشائخ کے متبرک مزاروں پر بھی۔ خدا ہم سب کو اپنی رحمت سے معمور کرے۔ آمین۔

عکس دستخط جناب مرزا غلام احمد قادیانی

المسیح الموعود من اللہ عبداللہ الاحمد ... القادیانی

حکیم نور الدین قادیانی کا مکتوب

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی درگاہ شریف میں حاضر ہوئے تو میرے حجرے

یں بھی تشریف لائے تھے۔ یہ خط اسی کی یادگار میں میں نے لکھوایا تھا تاکہ اُن کے مُرید
بنی کی حاضری مزار ولی پر یاد رکھیں۔ اور حکیم نور الدین صاحب نے یہ خط بزمانہ اپنی
خلافت قادیان سے لکھا۔ حسن نظامی

عکس دستخط جناب مولوی نور الدین صاحب خلیفۂ اول جناب میرزا صاحب قادیانی

نور الدین قادیان ضلع گورداسپور۔ پنجاب
۱۰ر مارچ ۱۹۰۹

مکرم معظم سلمہ۔ جناب مولنا۔ السلام علیکم

مکرمت نامہ پہنچا۔ اس پر عرض ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری کو میں اور ہماری
جماعت اصح الکتب یقین کرتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک بار سرورِ عالم فخر بنی آدم خاتم
الرسل والنبیین۔ سید الاولین والآخرین کے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرات صحابہ
کرام شرف اندوز تھے۔ اور ایک جنازہ گزرا۔ اور اس مطہر قوم کی جماعت نے اسکی
تعریف کی۔ عربی عبارت میں ہے اثنوا علیہ خیرا فقال وجبت پھر ایک اور جنازہ
گزرا تو اس کی مذمت ہوئی۔ پھر ارشاد ہوا وجبت کے معنی ہیں کہ اس کے لئے واجب
ہو چکی۔ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا ما وجبت یا رسول اللہ کیا واجب ہوا۔
فرمایا اما الذی اثنیتم علیہ خیرا فوجبت لہ الجنۃ واما الذی اثنیتم علیہ
شرا فوجبت لہ النار انتم شھداء اللہ فی الارض اور جس کی تم نے
مذمت کی اس کے لئے دوزخ واجب ہوئی۔

اب جو میں قرآن کریم کو پڑھتا ہوں تو اس میں ارشاد ہے وکذالک جعلناکم
امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حقیقت
ہر زمانہ کے اخیار میں طاری وساری ہے۔ اور ہمیشہ اس کے مطابق ہم مشاہدہ کرتے ہیں
اور اسی معیار پر میں نے حضرت نظام الحق والدین سلطان الدنیا والعقبیٰ کو دیکھا۔ تو سات

سو برس کے قریب ہوتا ہے کہ ہزاروں ہزار احبار آپ کے مدائح میں رطب اللسان ہیں۔ اگر ایں مشت خاک ان ابرار و اخیار کے ساتھ ہم آواز نہ ہو۔ تو حسب الارشاد ومن یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہٖ ما تولی و نصلہٖ جہنم وساءت مصیراً مجھ سے زیادہ کون بدقسمت ہو سکتا ہے۔ میرا دلی یقین یہ ہے کہ وہ محبوب الٰہی حسب تزکیہ شہداء اللہ واقعی محبوب الٰہی تھے۔ یہ ہی میرا دلی اعتقاد ہے۔ عام لوگوں کی اجنبیت، انشاء اللہ میرے نزدیک جوئے نمی ارزنہ کا رنگ رکھتی ہے ؎

کاش آناں کہ عیب من گیرند　　روئے آں دلستاں بدیدندے

اب دوسرے ارشاد اور اس کی اہمیت پر گزارش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا۔ اور فرماتا ہے وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنٰفقین۔

مولانا اگر ہم فی الواقع جناب الٰہی کی نظر میں مومن ہیں تو ہم یقیناً یقیناً یقیناً معزز و منصور ہیں ہمیں کفار کے یہ جلسے قطعاً جوش دریغ وہ نہیں۔ اور نہ ہم ان کے نظاروں کو اہم یقین کر سکتے ہیں جناب کو معلوم ہوگا۔ حضرت فرید الحق والدین۔ جب حضرت قطب الدینؒ کے جانشین ہوئے تو ہفتہ کے اندر اندر قرب دہلی سے دوری اختیار فرمالی۔ تو کیا ان کے لئے اجودھن کا جنگل معزز ہوا۔ لا واللہ۔

از جناب شمس العلماء منشی ذکاء اللہ صاحب

جناب سید حسن نظامی صاحب نے اپنے جد امجد سلطان نظام الدین علیہ الرحمۃ کے کشف و کرامات و خرق عادات و محاسنِ اخلاق میں کسی بات کو فرو گذاشت نہ کیا ہوگا۔ کہ جس کی تحریر کا فخر میں حاصل کروں۔ مگر ہاں میں حضرت کی سب سے بڑی کرامت یہ بیان کرتا ہوں کہ ان کو اپنے ساتھ انسانوں کے گرویدہ کر لینے کا ایسا ملکہ خداداد تھا کہ

اپنی حیات میں بے حساب آدمیوں کو اپنا مرید و معتقد بنایا۔ اور بعد وفات جس پر چھ سو
سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ وہی کرامت ان کے مزار میں موجود ہے کہ وہ مسلمانوں ہی کے
دلوں کو گرویدہ نہیں بناتا۔ بلکہ غیر مسلمانوں کے دلوں کو اپنا شیفتہ و والہ کرتا ہے چنانچہ
مسٹر کلارک صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی جب مزار شریف پر تشریف لائے تو ان کے دل
پر مزار شریف کا یہ اثر ہوا کہ اس کی چھت کو شکستہ و فرسودہ کہنہ دیکھ کر انہوں نے اپنی
گرہ سے تین ہزار روپیہ خرچ کر کے ایسا ہی بنوا دیا جیسا کہ پہلے بنا ہوا تھا اور خادموں
کو منع کر دیا کہ وہ ہمارا نام نہ لیں کہ ہم نے اس کو بنوا دیا ہے۔

جب سے انگریزی عملداری ہندوستان میں آئی۔ کوئی مثال ایسی نہیں کہ کسی
حاکم انگریز نے کسی ولی اللہ کے مزار کی مرمت اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے کرائی
ہو۔ یہ حضرت سلطان جی ہی کی کرامت یادگار رہے گی کہ انہوں نے عیسائی حاکم وقت
سے اپنے مزار مقدس کی مرمت کرائی ہو۔

عکس دستخط جناب شمس العلماء خان بہادر منشی ذکاء اللہ صاحب مرحوم
۲۴ مئی ۱۹۰۶ء

چند اور خطوط

یہ مجموعہ لکھا جا چکا تھا کہ جناب مولوی نیاز محمد خاں صاحب نیاز ساکن فتحپور ہسوہ
نے از راہ مہربانی چند خطوط عنایت فرمائے۔ جن کو دلی ممنونیت کیساتھ آخر میں شریک
کیا جاتا ہے۔

حسن نظامی

الہ آباد ۲۶ نومبر ۱۹۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اکثر صاحبوں نے ارادے ظاہر کئے۔ شاید اللہ تعالیٰ

نے آپ ہی کے لئے یہ خدمت تجویز فرمائی ہے۔ زمانہ و مخزن نے ریویو لکھے۔ مگر پولٹیکل خیال سے۔ اگرچہ میں کیا۔ اور میرے شعر کیا۔ لیکن آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ اور آپ خود قابلیت اور سخن گوئی اور سخن فہمی میں ممتاز ہیں۔ لہٰذا کچھ تعجب نہیں کہ آپ میرے اشعار کی قدر افزائی فرمائیں۔

ان روزوں میں سخت پریشان رہتا ہوں۔ دنیا سے بالکل دل برداشتہ ہو گیا ہوں۔ آپ نے لکھا ہے کہ "جواب آئے تو شاید اسکوں" جواب تو حاضر ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ کے دل کو سکون ہو۔ دل مضطرب ہی اچھا۔ آپ میرے ساتھ اس حالت میں ہمدردی کر سکیں گے۔ خیر یہ تو لطیفہ تھا۔

دعا ہے کہ اللہ آپ کو اطمینان نصیب کرے۔ اور آپ خوش رہیں۔ بیشک اسوقت حالت بہت نازک ہو رہی ہے۔ اپنا حال لکھتے رہیئے۔ میرا حال اس مطلع سے ظاہر ہے شاید آپ سن چکے ہیں۔ نو تصنیف ہے۔

جب یہ دیکھا کہ جہاں میں کوئی میرا نہ رہا
شدتِ یاس سے میں آپ بھی اپنا نہ رہا

پرسوں شب کو چند اشعار ذہن میں آئے لکھ تو لئے۔ لیکن ہنوز نہ کہیں بھیجے نہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

خیال آیا کہ آپ کو لکھ بھیجوں پرائیویٹ اطلاع کے لئے۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ کیسے شعر ہیں۔ کیونکہ منتشر الحواس ہوں۔

باون تو ہے ہاؤس کا دستہ ہے پالی کا
لیکن ادہر تصور جاتا نہیں کسی کا

ہے کونت لیکن اس پر مسرور ہو رہے ہیں
ہر سو اُچھل رہے ہیں اور چو رہو رہے ہیں

اس قبالہ رو جماعت کا انتشار دیکھو،
اس باغ میں خزاں کی اکبر بہار دیکھو

لکھتا ہے کلک حسرت مسلم کی ہسٹری میں
اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

الہ آباد   ۵ رمئی سنہ ۱۹۱۴ء

عزیزی محبی سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ کہاں ہیں۔ کیسے ہیں۔ کیا شغل ہے۔ آپ کی خیریت اڈیٹر صاحب مساوات سے میں نے دریافت کی تھی۔ انھوں نے پتہ بتایا۔ میں اپنا حال کیا لکھوں ؎

ان مصائب میں بھی مایوس نہیں ہوں اکبرؔ
قید ہستی سے رہائی کی خوشی باقی ہے

(خاکسار اکبر)

---

۲۴ رجون سنہ ۱۹۱۶ء

صدیقی الاعز۔ سخت نادم ہوں کہ اتنے عرصہ کے بعد جواب لکھتا ہوں۔ آپ کا خط پڑھ کر معمولاً رکھدیا تھا کہ ضروری خطوں کے ساتھ جواب لکھ دوں گا۔ ہفتہ میں ایک رات یہی کام ہوتا ہے۔ لیکن غلطی سے وہ وہیں رہ گیا۔ اور میں سمجھا کہ جواب لکھ چکا ہوں۔ آج کاغذات دیکھے تو بجنسہ موجود تھا۔ سخت شرمندگی ہوئی۔ خواستگار معافی ہوں۔

نظم النشر درج الہلال ہوگی۔

ایک دوسرے امر کے لئے آپ نے لکھا ہے مجھے بہمہ وجوہ اور ہر حال میں مستعد خدمت یقین کیجئے۔ اگر کوئی سعی مفید مقصد نکلے تو اسے بہترین عبادت سمجھوں لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ بتفصیل لکھیں۔

میری طرف سے کبھی کوتاہی نہ ہوگی۔ تاخیر کے لئے سخت نادم ہوں۔

(فقیر ابوالکلام)

---

۱۸ راگست سنہ ۱۹۱۶ء   (اسمی لاج مسوری)

صدیقی العزیز۔ آپ کے متواتر خطوط پہنچتے رہے۔ میں اس تمام عرصہ میں بہت زیادہ گرفتار تفکر و تردد رہا۔ اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا کہ میں لکھنؤ میں تھا۔ آج صبح واپس آیا۔

اور آپ کی شکایتوں سے رفع کسل سفر میں مدد ملی۔ کل کلکتہ روانہ ہوں گا۔ اور انشاءاللہ وہاں سے تفصیلی خط لکھوں گا۔ احتیاطاً آپ کی کتاب کی نسبت آج ہی ونتر لکھدیا ہے۔

ابوالکلام

کلکتہ۔

۲۱ر جولائی

صدیقی الاعز

والانامہ پہنچا۔ میں نے ایک اطلاعی خط لکھوایا تھا۔ اور خود خط رکھ لیا تھا کہ جواب لکھوں گا۔ مجھے جو کچھ اس بارے میں کرنا تھا کر دیا ہے۔ اور منتظر جواب ہوں۔

یہ فتح پور میں ندوہ کے متعلق جلسہ کن لوگوں نے کیا تھا؟

خط کے جواب وغیرہ میں مجھ سے جو قصور رہو جایا کرتا ہے۔ اس کی بنا پر میرے دل کی نسبت کوئی رائے قائم نہ کیجئے۔ میں ہر حال میں ہر طرح کی خدمت کے لئے مستعد ہوں۔ اور علی الخصوص آپ کی تو اپنے دل میں جگہ رکھتا ہوں۔ (ابوالکلام)

کلکتہ

صدیقی الاعز، خط پہنچا .... صاحب کا تو یہ حال ہے۔

کل نیز گہے بامن وکہ با دگرے داشت

لیکن اس سے مطمئن رہئے کہ طے شدہ امور میں بے ثباتی و تنزلزل ممکن نہیں۔ آپ روزانہ اثبات وجہ نہ کرتے ہیں۔

...... صاحب ذاتی اور شخصی تعلقات میں اس درجہ محکم و استوار ہیں کہ موجودہ عہد میں شاید بہ مشکل اس کی نظیر ملے۔ میں مطمئن ہوں۔ اور آپ بھی مطمئن رہیں۔ غالباً میں نومبر کی ۱۵ر تک دہلی آؤں گا۔ اگر اس وقت تک نقل و حرکت کے لئے آزاد رہا۔

(ابوالکلام)

تیسرا حصہ

بیٹی کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از اجمیر شریف

حور اجانم۔ ذرا لینا اس خط کو۔ جلدی سے پڑھ لو۔ پھر تم کو کھیل سے فرصت نہ ملے گی۔ اور میں اپنے کام میں لگ جاؤں گا۔ بیٹی اگر میں یہ سنوں کہ تم نے لکھنا نانہ نہیں کیا تو جی کیسا باغ باغ ہو۔ مگر یہ امید کہاں ہے۔ جب تک میں تقاضہ نہ کروں تم کب خیال کرتی ہو۔

میری حورو! پڑھو تو اپنے شوق سے پڑھو۔ لکھو تو اپنے شوق سے لکھو۔ اب تم بارہ برس کی ہوئیں۔ وہ وقت قریب آیا۔ جب کہ تم پرائے گھر کی بنو گی۔ کچھ لیاقت نہ ہوئی تو ناک کٹ جائے گی۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لکھنے پڑھنے والے باپ کی اکلوتی بیٹی اور قابلیت خاک نہیں۔ میرا کچھ بھی نہ بگڑے گا جی تمہارا جلے گا۔ اس واسطے جہاں تک ہوسکے ہر وقت سینے پرونے، کھانے پکانے لکھنے پڑھنے میں دھیان رکھو۔ کھیل تماشے کا زمانہ ختم ہوا۔ اب اور وقت آرہا ہے۔

اری بنو! ذرا کچھ تو کہو۔ میں نے کیا کہا۔ اس میں میری غرض کچھ نہیں ہے۔ جو ہے تیرے ہی فائدہ کی بات ہے۔ سب کو آداب۔ سلام۔ دعا۔ پیار کہنا۔

از اجمیر شریف

میں نے اتنے خط تم کو لکھے۔ جب کبھی باہر گیا تم کو خط لکھتا رہا۔ کچھ سلیقہ والی ہوتیں تو ان خطوں کو جمع رکھتیں۔ جیسے میں نے تمہارے خط اکھٹے کر رکھے ہیں۔ تاکہ جب بڑی ہو جاؤ تو میری طرح اپنے بچپن کے خطوط دیکھکر خوش ہو۔ میرے خطوط جمع کرو تو ایک دن ان کی کتاب بن جائے۔ مگر تمہیں خبر نہیں یہ شوق کب ہوگا۔

ماش کی دال۔ آلو کا بھرتا۔ انڈے کا کلیجہ یعنی زردی۔ پسند ہے۔ اتوار کے دن پکار کھنا۔

سکندر آباد دکن

بیٹا حورا! خدا تم کو آم کھلائے۔ کیونکہ میں آج کل آم بہت کھاتا ہوں۔ اور سوائے اس دعا کے تمہارا کبھی خیال نہیں کرتا۔ کیونکہ آم کھانے میں میرا حرج ہوتا ہے۔ اپنی خیریت جلدی جلدی لکھا کرو۔ اور برابر پڑھتی رہو۔ فقط۔

حورا پیاری!

خط ملے۔ حال معلوم ہوا۔ اپنی کتابیں مکان سے منگاؤ۔ پڑھنے میں غفلت نہ کرو ورنہ میں تم کو خط نہیں لکھوں گا۔ اگر یہ معلوم ہوا کہ تم پڑھتی نہیں ہو۔

دیکھو حورا۔ پڑھنے۔ پکانے۔ سینے پرونے میں حرج نہ کرنا۔ میں نے لیلیٰ کو لکھدیا ہے وہ تم پر تاکید رکھیں۔ اور تمہارے بگڑنے کی پروا نہ کریں۔

میں اچھا ہوں۔ خط لکھا تو تھا۔ خبر نہیں کیوں نہیں ملا۔ اب تو روز لکھتا ہوں۔ آپا سے مضمون نہ لکھوایا کرو۔ خود لکھا کرو تاکہ لیاقت آئے۔

حور اور رہو نورُ علی نورا - میں خیریت سے ہوں اور تمہارے پرچہ کی راہ دیکھا کرتا ہوں۔

حور ا ناتون اسراسر باتون!

تمہارا خط کل نہیں آیا - اور آج بھی اب تک ندارد ہے - شاید دوپہر تک آئے اب میں اسی ہفتہ میں گھر آنے والا ہوں - اُستانی جی صاحبہ اور سب کو درجہ بدرجہ سلام کہنا۔

شب برات

میری چھچھوندر حورا پھلجھڑی رہو - خط کا انار ملا - دل مہتابی بنا - مجھے یہ سنکر بہت خوشی ہوئی کہ تم اپنی آپا کے کہنے پر چلتی ہو - شاباش آفرین - تم دونوں میں جس قدر اخلاص پیار ہوگا - میں خوش رہوں گا۔

امید ہے کہ نور چشم عربی نے آتش بازی کا جھگڑا نہ رکھا ہوگا - اور دوسرے بچوں کو نصیحت کی ہوگی۔

سلمہ جانی کو گود میں لے کر ذرا کھینچ لو - اور دبوچ کر پیار کرو - اور کہو کہ ابّا نے یہ پیار بھیجا ہے - سب کو درجہ بدرجہ آداب سلام۔

بی بی جی حورا سلام - میں تو بیٹی تم کو روز خط لکھتا ہوں - خبر نہیں کیوں دیر ہوتی ہے - جلدی لکھو کہ تم نے کتابیں منگائیں یا نہیں اور پڑھنا شروع کیا یا نہیں - ابن ع.بی کو دعا کہنا - ان کے آداب ملتے ہیں، اور جی خوش کرتے ہیں۔

از بمبئی

حورم قصو رم - آج تمہاری آپا کے خط نہ آنے سے دل کو بہت فکر ہے - خبر نہیں جی کیسا ہے جو اُن سے خط نہ لکھا گیا -

---

حور بانو - ابن ع - بی - منو سلمہ

سب کی خدمت میں یہ چار حرف بعد سلام دعا پیار کے ارسال ہیں -

رمضان کے سیو، برت، کچالو - زردہ کا پان یا میری حورا جان - تم کو اللہ کی امان -

لو بی ہم آتے ہیں - صبح کو یہ خط آئے گا اور رات کو نو بجے کی ریل میں ہم اُتریں گے والسلام - والدعا - والآداب - والپیار

مولانا ع - بی - سلامٌ علیکم

کل تمہارا خط ملا تھا - آج ابھی ڈاک نہیں آئی - شاید شام کو آئے - اس سے جی خوش ہوا کہ تم خود لکھتے ہو - لکھواتے نہیں - میں نے ان خطوط کو احتیاط سے رکھ لیا ہے - جب تم بڑے ہو گے تو ان کو یادگار کے طور پر چھپوانا - جیسے میرے بچپنے کے خط کتاب میں شائع ہوئے ہیں -

---

حورم - تم کو اماحوا کی سنوار!

ہاں بیوی مجھے خود خیال تھا کہ تم کو پرچہ نہ لکھنے کا رنج ہوگا - اور خیال کرو گی کہ اوروں کو لکھا اور مجھے نہ لکھا -

مگر کم فرصتی کے سبب میں تم کو الگ خط نہ لکھ سکا تھا۔ اور خیال کر لیا کہ اُن سے

تم کو خیریت معلوم ہو جائے گی۔ اب برابر خط لکھوں گا۔ فکر نہ کرو۔

میری حورا۔

سنتی ہو۔ پرسوں شب برات ہے۔ یہ خط شبرات کے ایک دن بعد تم کو ملے گا۔

آتش بازی تو مدت ہوئی تم نے چھوڑ دی۔ رات کو جاگنا۔ حلوا چپاتی کھانا اور ایک

قہقہہ کی پھولجھڑی چھوڑنا۔

حورا پیاری! جیتی رہو۔ اب تمہارا خط روز آتا ہے۔ اور میرے جی کو خوش کرتا

ہے۔ استانی جی کا خط بھی آیا۔

تمہارا خط حیدری صاحب کے گھر میں بڑے شوق سے پڑھا گیا۔ تمہاری املا

غلط ہوتی ہے۔ استانی جی کو دکھا کر لکھا کرو۔

حیدری صاحب کی بیوی بہت افسوس کرتی تھیں کہ تم کو ابھی سے پردہ کی قید

میں ڈال دیا گیا۔

حورن سلام۔ پرچہ آیا۔ بیٹی ظاہر داری بھی کوئی چیز ہے۔ یہ مانا کہ خواہ مخواہ کی چپڑ

للو اچھی نہیں۔ مگر پھر بھی میل جول برتاؤ کے ظاہر کرنے ہی سے معلوم ہوا کرتا ہے۔

آج تو سردی بھی زیادہ ہے۔ اندر بھبک بھی۔ حلوا سوہن کو جی چاہتا ہے رمگر

ڈرتا ہوں بخار نہ آجائے۔ کچھ ہی ہو۔ آج تو اسپر دانت چلا کر رہوں گا۔ مگر تم کو ایک

بھورا اس میں سے نہیں دوں گا۔

حورا بیٹی فکر نہ کرو۔ میرا چلہ نہیں بگڑا پیٹ کی کمان بگڑ گئی تھی۔ تہجد کے وقت پانی گرم کرنے اٹھا تھا۔ گھڑیا بھری ہوئی اٹھالی۔ اس سے انتڑی میں بل پڑ گیا۔ ڈاکٹر اسکو درست کر گیا۔

خدا نے چاہا چالیس دن پورے کر کے اٹھوں گا۔ تم وہم نہ کرو۔ پیر زادی ہو کر چلّے سے ڈرتی ہو۔

بیوی کے نام

از اجمیر شریف　　مکان متولی صاحب　　یکم فروری ۱۹۱۶ء

میری لیلےٰ!

اس زندگی کا یہ پہلا خط ہے۔ ہم تم کو ملے ہوئے آج پورے ۳۰ دن۔ یا ایک مہینہ ہو گیا۔ یعنی آج ۲۶ تاریخ ہے اور ۲۶ ہی کو شادی ہوئی تھی۔

رات کو ریل کے ہچکولوں نے سونے نہ دیا۔ یہ گاڑی بہت ہی ہلتی ہے۔ یہاں آکر دو گھنٹے سویا۔ اب بارہ بجے کھانا کھایا ہے۔ اور اس کے بعد یہ خط لکھنا شروع کیا۔ اسوقت میں تم سے ڈیڑھ سو کوس دور ہوں۔ مگر دل وہیں تمہارے پاس ہے۔

از اجمیر شریف

کل خط لکھ چکا ہوں۔ مگر کیا خاک لکھا۔ نہ قلم ٹھیک تھی۔ نہ دوات۔ بڑی مشکل سے چند سطریں لکھی گئیں۔ رات کو نیا قلم منگایا۔ نئی دوات تیار کرائی۔ آج بڑے آرام سے یہ لکھ رہا ہوں۔

میں نے اس خط میں ایک جگہ قلم کو عورت لکھا ہے اور ایک جگہ مرد۔ وجہ یہ ہے
کہ اردو زبان میں دونوں طرح بولتے ہیں۔ اس لئے میں نے دونوں قسم کے لفظ لکھے
تاکہ تم اپنے لکھنے پڑھنے میں اس کا خیال رکھو۔
اب سنو۔ کل کا حال۔ تم کو خط لکھنے کے بعد مہاراجہ سے ملنے گیا۔ اور دو گھنٹے
ملاقات رہی۔ عصر کے بعد مکان پر واپس آیا۔ بعد مغرب مہاراجہ خود میرے مکان
پر ملنے آئے۔ وہ گئے تو کھانا کھایا۔ کتاب دیکھی اور دس بجے سو گیا۔ سردی زیادہ
تھی۔ کمبل دوہرا کر کے اوڑھا۔ جب بھی سردی نہ گئی اور نیند اُچاٹ ہو گئی۔ خیر جوں
توں کر کے رات گزر گئی۔ آٹھ بجے مہاراجہ پھر ملنے آئے۔ ابھی دس بجے کے بعد واپس
گئے۔ پہلے میں نے کھانا کھایا۔ پھر یہ خط لکھنے بیٹھا۔ حالت یہ ہے کہ بدن کچھ بوجھل
بوجھل سا معلوم ہوتا ہے۔ اب ذرا چہل قدمی کو جاؤں گا تو جی ہلکا ہو جائے گا۔
دیکھیے تم کیا کیا حالات لکھتی ہو۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ سارے رات دن کی کیفیت
لکھو اور مجھے یہ معلوم ہو گویا میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوں۔
ہاں اب تمہارا جی کیسا ہے۔ چلنے سے ایک دن پہلے سر میں درد تھا۔ شہر جانے
کی تکان سے کچھ زیادہ درد تو نہیں بڑھا۔ اس کا حال ضرور لکھو۔ کیونکہ مجھے اس کا بہت
فکر ہے۔ آدمی پہلے سے علاج کر لیا کرے تو بیماری بڑھتی نہیں ہے۔ میرا خیال نہ
کرنا۔ میں تو سدا کا بیمار ہوں۔ نہ ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے۔ میں علاج کروں
یا نہ کروں۔ میرا اینجال تو ایسا ہی رہے گا۔ ضرورت تم کو احتیاط کرنے کی ہے۔

از اجمیر شریف

تل اوجھل پہاڑ سنا کرتے تھے۔ یہاں پہاڑ اوجھل تل ہے۔ اونچے اونچے
پہاڑوں کی دیواروں میں رات بسر کرتا ہوں۔ منگل کو آیا تھا۔ آج تیسرا دن جمعرات ہے۔

کل جمعہ - پرسوں ہفتہ کو رات کے وقت روانہ ہو کر اتوار کی دوپہر کو گیارہ بجے کی ریل میں گھر پہنچوں گا تو دم میں دم آئے گا۔

از اجمیر شریف

یہ خط اور میں ساتھ پہنچیں گے۔ خط ذرا کچھ پہلے - میں ذرا کچھ بعد۔

اس خط کو دیکھ کر مجھے تمہاری آئندہ کی لیاقت کی بہت امید بندھ گئی ہے تم خوب لکھ سکتی ہو - اور میرے برابر لکھ سکتی ہو۔

از سکندر آباد دکن

آج یہاں آئے ہوئے دوسرا دن ہے۔ شام کو تمہارے خط کی امید ہے۔ جس کی یاد میں خیال بےچین ہے۔ کل کی ڈاک میں جو منشی جی نے بھیجی تمہارا کوئی پرچہ نہ تھا۔ ذرا انصاف کرو۔ مجھے کتنی تکلیف اس سے ہوئی ہوگی۔

مگر دل کو اس خیال سے تسلی دے لی کہ جس دن میں چلا ہوں اسی دن منشی جی نے یہ پیکٹ بھیجا ہے جو مجھے کل شام کو وصول ہوا۔ اور تم اُس دن گھر کے سنگوانے میں لگی ہوئی ہوں گی۔ لکھنے کی فرصت کہاں سے نکالتیں۔ اس خیال نے تم کو بخطا ثابت کر دیا۔ اور میں اپنے خیال پر خفا ہوا کہ اس نے تم کو کیوں بے قصور کر دیا۔ خیر یہ تو ہنسی کی بات تھی اب میرا حال سنو۔

جمعہ کے سبب نہانے کا ارادہ تھا۔ بال الجھ رہے تھے مگر نہ نہا سکا۔ آج صبح بال دھوئے۔ خود ایک گھنٹہ میں کنگھی کی۔ اور تم کو یہ خط لکھنے کو بیٹھا۔ مگر کیا لکھوں۔ اطمینان نہیں ہے۔ خلقت آس پاس کرسیوں پر بیٹھی ہے۔ باتیں کرتا جاتا ہوں۔ اور لکھتا جاتا ہوں۔

رات کو نیند خوب آتی ہے۔ ٹھنڈی ہوا۔ ہرا بھرا باغ۔ آرام کا سب سامان۔
کھانا خوب کھایا جاتا ہے۔ خاصکر آم تو دن میں تین بار کھاتا ہوں۔ موتی بیگم اور ان
کی سب بہنیں رات دن خاطر داری میں مصروف ہیں۔
تم یہاں آتیں تو ان لوگوں کی تمیز داری سے تم کو بہت تجربہ ہوتا۔ بات میں
کھانے پینے میں غرض ہر کام میں ان کی صفائی ستھرائی اور سگھڑاپا ہے۔ ہمارے یہاں
تو کسی کو خواب میں بھی یہ تمیز نہ آئی ہو گی۔

سکندر آباد دکن

کل شام کو تمہارا خط ملا۔ جس نے جی کو شاد کیا۔
حالات معلوم ہوئے۔ امید ہے کہ تم کو متھرا والا اور منماڑ کا لکھا ہوا خط بھی مل
چکا ہو گا۔ اور سکندر آباد آکر جو خطوط میں نے لکھے ہیں وہ بھی پہنچے ہوں گے۔ میں ایک
خط روز ڈال دیتا ہوں۔
کل گرمی زیادہ رہی، اول شب بھی گرمی کا اثر تھا۔ آدھی رات سے خنکی شروع
ہوئی۔ سب اندر سوتے ہیں۔
آج صبح سے گھٹا ہے۔ ٹھنڈی ہوا ہے۔ اور خوب بہار ہے، خرچ روز یاد کر کے
لکھ لیا کرنا کہ فضول خرچ کچھ نہ ہو۔ فضول اُسے کہتے ہیں جس کی ضرورت نہ ہو، اس
کام میں خرچ کیا جائے۔ جو کام بغیر خرچ کے چل سکتا ہو اُس میں خرچ کرنا فضول
خرچی ہے۔ اگرچہ تم مجھ سے زیادہ اس بات کو سمجھتی ہو۔

از سکندر آباد دکن

دل شاد ہو کہ میں خوش و خرم ہوں۔ آج دوسری جون کا لکھا ہوا خط ملا۔ رات

کو بھی ایک خط آیا تھا۔ تعجب ہے کہ ۳۱ مئی کا لکھا ہوا خط جو میں نے منماڑ سے بھیجا تھا کہاں غارت ہو گیا۔ وہ تم کو ۲ جون کو پہنچا۔ شاید تیسری کو ملا ہو گا۔ میں نے اپنے ہاتھ سے وہ خط ڈالا ہے۔

رات کے اور اس وقت کے خط سے سلمہ کی بیماری کا حال معلوم کر کے نہایت بے چینی ہوئی۔ جی میں آیا تھا کہ تار دیدوں کہ علاج دلّی کے ڈاکٹر کا کرو۔ مگر یہ خیال آیا کہ تار سے گھبرا جائیں گے۔ اس واسطے خط لکھتا ہوں کہ سلمہ کے علاج میں بہت کوشش ہونی چاہیئے۔ پراٹھے کھلا کر اس کا مرض بڑھایا گیا ہے۔ گھر کی دواؤں سے کیا ہو گا۔ بگی منگا کر چاندنی چوک والے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ اور احتیاط سے پرہیز و علاج کرو۔

ابن عربی کی علالت سے فکر ہے۔ اس کو بھی ڈاکٹر کے ہاں جانا چاہیئے۔ غفلت ٹھیک نہیں۔

میں اچھا ہوں۔ موسم اچھا ہے۔ رات کو بارہ ایک بجے سوتا ہوں۔ صبح پانچ بجے اُٹھتا ہوں۔ دن کو سونا مل جاتا ہے۔ آم بڑی کثرت سے کھانے میں آتے ہیں تین وقت کھاتا ہوں۔ تم نے خرپوزہ کھائے۔ گویا ہم نے کھائے۔ آم ہم نے کھائے گویا تم نے کھائے۔

از سکندر آباد دکن

کل صبح خط آیا تھا۔ آج صبح نہ آیا۔ شام کو آئے گا۔ یہاں دو وقت ڈاک آتی ہے۔ تمہارا خط اکثر شام کو آتا ہے۔ مگر کل فجر آگیا تھا۔ سلمہ کے خیال نے بہت فکر مند کر رکھا ہے۔ دیکھئے میں اس کو زندہ پاؤں گا یا نہیں۔ خبر نہیں اس سے کیوں اس قدر محبت ہو گئی ہے۔ کل رات کو ایک بجے سونا ملا۔ سویرے جی خراب تھا۔ دس بجے

ذرا لوگ کم ہوگئے تو میں سوگیا ۔ درمیان میں مہاراجہ صاحب کا سوار خط لے کر آیا تو
جاگا اور پھر سوگیا ۔ بارہ بجے جاگا ۔ غسل کیا ۔ کھانا کھایا ۔ اور یہ خط لکھنے بیٹھا ۔ آم
زیادہ کھانے سے معدہ خراب ہوگیا ۔ آج میں نے آم نہیں کھائے ۔ لیکن مسلم مرغ
پکا ہوا تھا ۔ وہ بھی ثقیل ہوتا ہے ۔ تاہم اس وقت جی ہلکا ہے ۔ آج گھر سے چلے پورے
آٹھ دن ہوگئے ۔ منگل کو چلا تھا ۔ آج منگل ہے ۔ تم دن بھر کیا کرتی رہتی ہو ۔ سارا
روزنامچہ لکھا کرو ۔ تاکہ مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ میں پردیس میں ہوں ۔ اور تمہارا سب
حال معلوم ہوتا رہے ۔

از سکندر آباد دکن

محرم راز من ! کل کے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو ۳ جون تک میرا خط نہیں ملا ۔ بہت
تعجب ہوا ۔ میں نے منماڑ سے ایک خط ۳۱ مئی کو لکھا تھا ۔ وہ ۳ جون کو تم کو ضرور
ملنا چاہیئے تھا ۔ شاید چار کو ملا ہو ۔

مگر تمہاری پریشانی سے مجھے پریشانی ہوئی ۔ رات کو وہی خیال ہوا ۔ اور
بہت بہت برے برے خواب دیکھے ۔ آج صبح تار بھیجا ہے ۔ اور سلمہ کی خیریت بھی
منگائی ہے ۔

میں روزانہ برابر تم کو خط بھیجتا ہوں ۔ اب امید ہے کہ برابر ملیں گے ۔ راستہ
کے سبب دو روز کا حرجہ ہوگیا ۔

میرا وہم کہتا ہے کہ سلمہ خدانخواستہ زیادہ علیل ہے ۔ یا کچھ اور بات ہے ۔
تم کچھ خیال نہ کرنا ۔ اور سچ سچ مجکو اصلی حالت لکھنا ۔

از سکندر آباد دکن ۔

پنکھے والی صاحبہ! ٹھنڈی ہوا کا جھونکا کھاؤ۔ تمہارا خط تو مجھے روز مل جاتا ہے فقط ایک دن دیر ہوئی تھی۔ مگر میرے خط کو کیوں دیر ہوتی ہے۔ حالانکہ میں روز کے ہزار کام چھوڑ کے تم کو خط لکھتا ہوں۔ اور آج تک کسی دن ناغہ نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پولیس والے کھول کر دیکھتے ہیں۔ اور دیر لگاتے ہیں۔ کھول کر دیکھنا ان کا فرض ہے۔ اگر ان کو کچھ شبہ ہو۔ مگر ان کو یہ خیال کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ خطوط میں دیر کرنے سے کتنا حرج اور فکر پیدا ہوتا ہے۔

خیر صبر کرو۔ اور پولیس والوں کو دعا دو۔ ان کی بدولت خط دیر میں ملتے ہیں ورنہ میں برابر روز لکھتا ہوں۔

سلمہ کی خیریت کا تار آیا۔ مگر مجھے یقین نہیں ہے۔ کیا بھید ہے۔ جس دن تم نے برا خواب دیکھا اُسی دن میں نے دیکھا۔

سلطان باغ حیدرآباد

آج صبح کی ڈاک میں اتوار کے سبب تمہارا خط نہیں آیا۔ شاید شام کو آئیگا۔

میں اس وقت ایک بہت ہی خوبصورت مقام پر ہوں۔ اس کا نام سلطان باغ ہے۔ مگر درحقیقت یہ دل باغ ہے۔ نواب اقبال الدولہ بہادر سابق وزیر اعظم حیدرآباد کے پوتے نواب محمد ابوالفتح خان اس میں رہتے ہیں۔ جنھوں نے آج مجھے یہاں مدعو کیا ہے۔ کھانا کھا کر گانا سنکر اوپر کی منزل پر آیا ہوں۔ سامنے پہاڑ ہیں۔ ندیاں نظر آتی ہیں۔ مگر یہ حسین ساگر تالاب کا نظارہ ہے۔ ندیاں نہیں ہیں۔ تم یہ دیکھتیں تو بہت خوش ہوتیں۔

یہ شہر سے آٹھ دس میل دور ہے۔ اور جنگل میں بالکل اکیلا ہے۔ اگر دورہ نہ ہوتا تو میں ہمیشہ یہیں آکر ٹھہرا کرتا۔

از چشت آبسیرا۔ حیدرآباد دکن

شب برات

میری مہتابی! خدا تم کو منور رکھے۔

کل شام کو مہاراجہ کے اس باغ میں آگیا۔ بہت ہی سجیح شاندار اور سہانا مقام ہے۔ بالاخانہ پر ٹھہرا ہوں۔ جہاں کئی سو آدمیوں کے بیٹھنے کے قابل توصرف ایک ہی کمرہ ہے۔

رات کو آرام سے رہا۔ مگر ذرا معدہ خراب تھا۔ اب صبح چھ بجے تازہ دودھ پیا۔ اجابت خوب صاف ہو گئی۔ تمہیں معلوم ہو گا کہ قبض نہ ہو تو میں بہت خوش رہتا ہوں۔ چنانچہ اس وقت باغ کے پرندوں کی آوازیں بڑی بہار دے رہی ہیں۔

از مدرہ دکن

آج میں حیدرآباد سے بہت دور ہوں۔ مدراس یہاں سے صرف رات بھر کا راستہ ہے۔

یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے چھپر پڑے ہوئے ہیں۔ رات کو جب یہاں پہنچے تو سخت گرمی تھی۔ سر میں درد ہو گیا۔ مگر آدھی رات کو ابر آیا۔ ترشح ہوئی۔ ہوا چلی ہم سوئے، اُس نے پنکھا جھلا۔ رات کو آم زیادہ کھائے تھے۔ اس سے جی خراب ہے۔ نیند چلی آتی ہے۔ یہاں دن بھر ٹھہرنا ہے۔ رات کو روانہ ہو کر کل حیدرآباد پہنچیں گے۔ اور تمہارا خط دیکھیں گے۔

از مدھیرہ

سلام۔ کل رات کو حیدرآباد جانا نہ ہوا۔ تحصیلدار صاحب نے روک لیا۔

اور حیدر آباد کے لوگوں کو تار دیدے۔

آج بھی قوالی ہے۔ کل بھی تھی۔ قوال حیدر آباد سے آئے ہیں۔ سویرے ہم ندی پر نہانے گئے۔ بڑی بہار تھی۔ وہیں نہا کر صبح کی نماز پڑھی۔ جب چلنے لگے تو ایک بہت بڑا سانپ سامنے آیا۔ ساتھ کے ایک شاہ صاحب نے اُس کو مار ڈالا۔ پھر آٹھ بجے تک ہم جنگل ہی میں رہے۔ اور وہاں سے آکر ناشتہ کیا۔ گیارہ بجے ذرا سوئے۔ ایک بجے اُٹھ کر کھانا کھایا۔ اب خط لکھا۔ نماز پڑھ کر قوالی میں جائیں گے۔ رات کو گیارہ بجے روانہ ہو کر صبح حیدر آباد پہنچیں گے۔

از چشت بسیرا۔ حیدر آباد

بانو پیاری تمہارے خواب ایک حد تک سچے ہیں۔ مجھے کچھ پریشانی اُٹھانی پڑی۔ اور اسی کی وجہ سے میں آج یہاں سے روانہ ہوتا ہوں۔ اور بمبئی جاتا ہوں۔ پورے حالات زبانی کہوں گا۔

خدانخواستہ کچھ زیادہ تشویش کی بات نہیں ہے۔ صرف یہ ہے کہ میں یہاں ٹھہر نہیں سکتا۔

واحدی صاحب کل آگئے۔ وہ ابھی قیام کریں گے۔ میں کل ضرور ضرور یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ دہلی یا بمبئی۔ اس کا حال تار سے معلوم کر دگی۔

ع۔ بی کا خط دیکھا۔ خود کو اور ان کو دعا۔

از چشت بسیرا۔ حیدر آباد

کل رات کو خط ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ تمہاری فکر مندی سے تکلیف ہوئی۔ خانگی حالات تم نے لکھے۔ میں اس سے بہت خوش ہوا۔ تم کو مجھ پر بھروسا

ہو گا تو مجھ کو بھی تم پر بھروسا ہو گا۔ زندگی اسی کا نام ہے کہ دو دل مل جائیں۔ کچھ ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ میں یہاں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ جب یہاں سے چلوں گا۔ تم کو تار دوں گا۔ تاکہ ڈاک بمبئی کو روانہ کردو۔

از بمبئی

دردِ سر کی صندل اور خود اس درد میں مبتلا۔ کل صبح بمبئی پہنچا۔ کیونکہ واحدی صاحب ہمراہ آئے ہیں۔ اور انہوں نے کبھی بمبئی دیکھی نہیں۔ اس واسطے صبح سے شام تک ان کو سیر کراتا رہا۔ کل بھی فرصت کا وقت نہ ملا۔ اور آج بھی یہی حال ہے۔ کل شام کو واحدی صاحب دہلی جائیں گے۔

از بمبئی

فکر میں ڈالنے والی! خدا تیرا بھلا کرے۔ کل اور پرسوں ایسی تشویش رہی کہ خدا کی پناہ۔ جب دوپہر کو خط آیا تو جان میں جان آئی۔

میرا ارادہ منگل کو یہاں سے چلنے کا ہے۔ مگر اُمید نہیں ہے کہ یہ ارادہ پورا ہو۔ غالباً جمعرات کو چلوں گا۔ اور جمعہ کو آگرہ ٹھہروں گا۔ ہفتہ یا اتوار کو گھر پہنچنا ہو گا۔

کل یہاں تو چاند دکھائی نہ دیا۔ ابر تھا۔ دلی کی خبر نہیں۔

از بمبئی

کل کے خط سے طبیعت کی خرابی معلوم ہوئی تھی۔ آج صبح سے لیکر یہ وقت کہ چار بجے ہیں۔ تمہارا خط نہ آیا۔ طرح طرح کے وہم آرہے ہیں۔ تار بھی دیا ہے۔ مگر جی کو تسلی نہیں۔ تار کا جواب ٹھیک آیا تو خیر۔ ورنہ کل روانہ ہو جاؤں گا۔

یوں بھی اب کے پیر یا منگل کو روانہ ہونے کا ارادہ ہے۔ آج دن بھر میں نے کچھ کام نہیں کیا۔ از حد پریشانی ہے۔ بیماری کے سبب نہیں، بلکہ خط نہ آنے کی وجہ سے کیونکہ بمبئی میں خط نہیں رُک سکتا۔

بمبئی

کل خط نہ آنے سے از حد فکر ہوا۔ آج بھی اب تک ڈاک نہیں آئی۔ تار کا جواب بھی نہ آیا۔ شاید دوپہر تک آجائے۔ صرف جواب کی راہ دیکھتا ہوں۔ فوراً روانہ ہو جاؤں گا۔

رات کو میرا جی بھی خراب رہا۔ کھانا نہ کھایا۔ اب بھی طبیعت بالکل صاف نہیں ہے۔ موسم خوب ٹھنڈا ہے۔

از بمبئی

میری مریضہ! خدا تم کو صحت دے۔ کل کے اور آج کے خط سے زکام کی تکلیف کا حال معلوم ہوا۔ میں ممنون ہوں کہ تم نے سچ مچ کیفیت لکھ دی۔ خدا تم کو جلدی آرام دے۔

میں خیریت سے ہوں، اپنی خیریت جلدی جلدی لکھو۔

از بمبئی

خانۂ دل کی رکھوالی! کل دردِ سر نے بہت ستایا۔ آج جلاب لیا۔ جس سے آرام ہوا۔ غالباً پرسوں جمعرات کو صبح کی ریل میں سوار ہو کر جمعہ کی شام کو سات بجے تمہارے گھر کے پاس سے گزروں گا اور سیدھا دہلی جاؤں گا۔ اور وہاں سے

ساڑھے آٹھ بجے کی ریل میں نظام الدین پہنچوں گا۔ علیہ اور جلو کو ریل پر بھجوا دینا اور مکان میں صفائی اور درستی کرا رکھنا۔ پانی کے برتن کورے منگوا لینا۔ اگر خراب ہو گئے ہوں۔ کھانا میں کھاؤں گا۔ وہ بھی تیار رکھنا۔ یہ خط غالباً تم کو عین جمعہ کے دن صبح کو ملے گا۔ اور میں شام کو آؤں گا۔ اس خط کو تار سمجھو۔ لیکن اگر کل تک رائے بدل گئی۔ تو تار دوں گا۔

تہذیب نسواں سے واقعی تعجب ہے کہ اُس نے نانی بڑھیا والا مضمون کیوں نہیں چھاپا۔ شاید بھول میں چھپا ہو گا۔ ایک کارڈ لکھکر دریافت کرو۔

اب یہ آخری خط ہے۔ یعنی کل نہیں لکھوں گا۔ کیونکہ پھر وہ ہفتہ کو پہنچے گا۔ اور ہفتہ کو میں خود گھر میں ہوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وہ مختصر پرچے جو مردانہ مکان سے زنانہ میں بھیجے گئے

تم نے بارہ اور بارہ چوبیس برس سے اپنی حالت نہ لکھی کہ اب تو متلی نہیں ہوتی اور درد پسر نہیں رہتا۔ خدا کا شکر ہے آج میں بالکل اچھا ہوں۔ رات کو نیند خوب صاف آئی۔ دو دفعہ آنکھ کھلی۔ اس وقت بھوک بھی ہے۔ سالن کم بھیجا کرو۔

سلام۔ آج سالن اور بھیجا خوب ہی مزیدار تھا معلوم ہوتا ہے۔ تم بڑی اچھی باورچن ہو۔ ذرا مرچیں تیز تھیں۔ مگر ناگوار نہ تھیں۔

گھنٹہ کو کوک دینا۔ ورنہ بند ہو جائے گا۔ حور بانو سے سلائی کا اور پکانے کا کام لیا کرو۔ اب اُن کی عمر کھیل کی نہیں ہے۔ پانچ کاغذ لفافے نذر کرتا ہوں۔ کاغذی آدمی کی نذر کاغذ کے سوا کیا کر سکتی ہے۔

۲۷۔ کنٹوپ کا چندوا چھوٹا ہے۔ سر میں پھنس گیا۔ ذرا اس سے بڑا ہوا انگشتیہ نگندے کی ضرورت نہیں ہے۔ معمولی کافی ہے۔

خرابی روشنائی کی نہیں۔ قلم کی ہے۔ تم کو باریک نب بھیجا ہے۔ اس سے لکھا کرو۔

وہ اخبار کا مضمون اس لئے بھیجا تھا کہ کل کے سبق کانگریس اور مسلم لیگ کو سمجھ لو کہ بیوی کانگرس کی ہمخیال ہیں اور میاں مسلم لیگ کے۔

پان بھیجدو۔ صافی بدل دو۔ زردہ اچھا یعنی صاف چورا دو۔ ڈنٹھل نہوں دودھ ہمیشہ آدھا گلاس بھیجا کرو۔ زیادہ نہیں۔

کوئی مجھ سے پوچھے تمہاری شادی کہاں ہوئی ہے؟ تو میرا جواب کیسا آسان ہوگا۔ کہدوں گا وہاں جہاں پانوں میں کتھ بہت لگایا جاتا ہے۔

آج ابھی سے بھوک لگ رہی ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ رات کو نیند بھی اچھی آئے تب بات ہے۔

سلام۔ خط ملا۔ مجھے تمہارے مشورہ سے اتفاق ہے۔ لیکن جب تک کپڑا آئے اور سلے اُس وقت تک کے لئے تو ستر پوشی ضروری ہے۔ اپنے دو کرتے روانہ کرتا ہوں۔ میرے لئے گرمی میں پھر بن جائیں گے۔ ان میں سے جو کرتے بن سکیں ان غریب بچوں کو بنا دو۔ پاجاموں کو بعد میں دیکھا جائے گا۔

تم نے حمد بانو کے خط پر لفظ قبلہ و کعبہ کاٹ دیا۔ مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی تم کو شاید میرے قبلہ و کعبہ والے مضمون کا خیال آیا ہوگا؟ جس میں قبلہ و کعبہ لکھنے کی مخالفت کی تھی۔ خدا کرے تم جیتی رہو۔ ان سمجھ کی باتوں سے تو میرا جی ڈھکر پکڑ ہوتا ہے کہ کہیں خدانخواستہ مر نہ جاؤ۔

وہ مضمون راز دنیا زیر بٹہ میں گیا ہے۔ دو مہینے میں چھپے گا۔ اس واسطے میں نے تم کو دکھا دیا تھا۔

روٹی صبح کم کھائی تھی۔ دو بجے سے بھوک لگ رہی ہے۔ آج کام بھی کم ہوا۔ جی درست نہیں ہے۔ تم نے یہ نہ لکھا کہ تمہارا جی کیسا ہے۔

کیا کروں لیلیٰ! جی نہیں مانتا۔ دس صفحے میلاد نامہ کے لکھ چکا تھا۔ خیال تھا کہ سبق آج ناغہ رکھوں گا۔ مگر جی گھبرایا اور تیرہ صفحے سبق کے لکھ ڈالے۔

اماں کو بھی سنا دیا کرو۔ تاکہ ان کے خیالات بھی تو درست ہوں۔ وہ بیچاری خود تو پڑھ سکتی نہیں۔

تم نے بیگم صفدر علی کا خط منگوا کر رکھ لیا۔ نہ خود جواب دیا نہ مجھکو دینے دیا۔ اخبار خطیب گیا تو پھر نہ آیا۔ میں نے اس کو دیکھا تک نہیں۔ پہلے تم کو بھیجا تھا۔

صبح دلیہ بڑے مزے کا تھا۔ روٹی میں نے ایک ہی کھائی۔ تاکہ دلیہ ہضم کر سکوں اب بھوکا ہوں۔ کچھ ہو تو دو۔ سویرے سے کھا لوں۔ حور بانو عجب غفلت خانم ہیں۔ ابا کو یا تو یاد کرتی تھیں یا پھر پینک میں چلی گئیں۔

جب جی اچھا نہیں تو یہاں گرمی میں آنے کی ضرورت کیا ہے۔ وہاں ہوا میں رہو۔ میں ظہر کی نماز کے بعد خود مل جاؤں گا۔ کونین ارسال ہے۔ اس کی گولی کھا لو۔ اور حور کو بھی کھلا دو۔ درد سر۔ بخار کی آمد ہے۔ ذرا سو جاؤ۔ آرام ہو جائے گا۔

رات کو نیند اچھی طرح نہ آئی۔ خبر نہیں کیا وجہ تھی۔ برابر یہ معلوم ہوتا رہا کہ دو

آدمی برابر سوتے ہیں۔ اور لمبے لمبے سانس لیتے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ دماغ کی خشکی کے سبب یہ آوازیں آتی تھیں۔ صبح خوب تیل کی مالش سر پر کی۔ کام کرنے اب دس بجے بیٹھا ہوں۔

غلام رسول کو کل بیشک دیر ہو گئی۔ ڈاک زیادہ تھی۔ وہ تین بجے ڈاکخانہ سے آیا۔ اس کا قصور نہیں ہے۔

صبح پانچ بجے سے لے کر اب دس بج گئے۔ تب کہیں جاکر بال سلجھے ہیں میں نے بھی سوچ لیا تھا چاہے شام ہو جائے۔ ان کو سلجھا کر رہوں گا۔ نیند انہی کی وجہ سے نہ آتی تھی۔ موٹی موٹی لٹیں الجھ گئی تھیں۔ اب سر صاف اور ہلکا ہو گیا۔ بالوں کی کھرچن ارسال ہے۔ مجھکو تابعدار بنانے کو عمل پڑھنا ہو تو ان پر پڑھ دینا۔

دیکھو جس قدر کپڑا قمیصوں اور پاجاموں کا آیا ہے۔ اُس کے نمونے بھیجدو۔ اور یہ بتاؤ کہ ان غریبوں کے کرتہ پاجامہ میں کتنا کپڑا لگے گا۔

ترکاری مجھے نہیں چاہیئے۔ مگر تم پڑوس کا خیال رکھا کرو۔ خدا کا بڑا تاکیدی حکم ہمسایہ کی خبر گیری کا ہے۔

حلوا سوہن میں نے چکھ لیا۔ باقی الٹا روانہ کرتا ہوں۔ یا تو میں بدل گیا یا تم بدل گئیں۔ اب ہر چیز مزے کی کیوں ہوتی ہے۔ بھیجا تو ایسا بھایا کہ روز بھیجو تو بھی اور بھیجا اور بھیجا کہے جاؤں۔ گوبھی بھی خوب تھی۔ روکھی نے مزا دیا۔

بہادر عربی!

کئی دن سے تمہارا پرچہ نہیں آیا۔ یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ تم برابر پڑھے جاتے ہو۔ کچھ سوغات منگانی ہو تو لکھو۔

دشمن مدعی تو میں نے زبان کا محاورہ لکھا ہے۔ ورنہ ہم مسلمان موت سے ڈرا نہیں کرتے۔ دونوں مضمون بھیجدو۔ اور ہمیشہ بھیجدیا کرو۔

ہم اور تم زندگی میں برابر کے شریک ہیں۔ پھر اس کی کیا ضرورت کہ ایک دمیہ قرضہ کا دینا ہو تو مجھ سے پوچھا جائے۔

روپیہ روانہ کرتا ہوں۔ محتاجوں کا تم نے خیال کیا جی خوش ہوا۔ میرے پاس بانات کا ایک ٹکڑا تھا۔ مل گیا تو کرتہ بنا دینا۔ یا کپڑا منگا دیں گے۔ پورا گرم جوڑا ہو تو زیادہ ثواب ہے۔

خط ملا۔ رات کو تو بیشک حالت بہت خراب تھی۔ میں نے تم لوگوں کی پریشانی کے سبب خبر نہ کرائی۔ بخار جاڑا اور گھبراہٹ کی کچھ حد نہ تھی۔ چاہا تھا کہ چلہ کو سلام کردوں اور تم کو بلالوں۔ مگر ہمت نے اس سے انکار کیا۔ آدھی رات کو بخار اترا بھوک شدت کی لگی۔ دودھ منگا کر پیا۔ پھر خوب گہری نیند آئی۔ ناف صبح ملوائی تو ہی مگر خرابی انتڑی میں معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ پھوڑے کی طرح دُکھتی ہے۔ اس واسطے میں نے ڈاکٹر کو بلایا ہے۔

بخار صرف انتڑی کی خرابی سے تھا۔ ورنہ منہ کا مزا۔ دماغ، دل، بالکل ٹھیک ہے۔ اور اس وقت تو ایسا ہوں کہ خوب صفائی سے لکھ رہا ہوں۔

خواجہ بانو! سلام! اب میں خدا کے فضل وکرم سے بالکل اچھا ہوں۔ ڈاکٹر

کے مرہم نما تیل سے بہت فائدہ ہوا۔

پیٹ کی ڈکھن بہت کم ہے۔ مگر احتیاط یہ ہے کہ اس وقت کھانا نہ کھاؤں۔ سوتے وقت دودھ پی لوں۔ آدھی کیتلی دودھ چھان کر کچا بھیجدینا۔ یہاں گرم کرلوں گا۔

خدا نے کیا یہ آفت ٹل گئی۔ اب تم ہر طرح تسلی رکھو۔ واحدی صاحب کا صبح خط آیا تھا کہ میں آؤں۔ میں نے انھیں منع کیا تھا۔ اب اُن کا ایک خط اور آیا ہے۔ جو روانہ کرتا ہوں۔ تم نے اشارۃً چلّہ مختصر کرنے کو لکھا تھا۔ وہ صاف زور دیتے ہیں کہ توڑ ڈالو۔ بھلا یہ بھی مردوں کی بات ہے جو پیچھے بھاگ جائیں۔ ذرا سی تکلیف سے۔

سبق ارسال ہے۔ اس کا جواب ذرا بڑا لکھنا۔ اور روپیہ کی خرابیوں پر اور عورتوں کی اندھا دھند حالت پر دماغ سے زور لے کر خیال ظاہر کرنا۔ تم کو میں نے کتاب بھیجدی ہے۔ اس پر لکھا کرو۔ خراب کاغذ پر نہ لکھو۔ کاپی نویس لکھے گا کیوں کر۔

مجھکو سالن بہت کم بھیجا کرو۔ اتنا لکھا تم بھول جاتی ہو۔ پس تین روٹیاں اور تھوڑا سالن۔ تاکہ زیادہ نہ کھاسکوں۔

آج سے چلّہ کے صرف ۱۲ دن باقی رہ گئے۔ یہ بھی خدا نے چاہا ہوا کی طرح جائیں گے۔ تم حور بانو کو مضمون دکھاتی ہو یا نہیں؟

ہر مضمون کو دو دفعہ یاد کر کے پڑھا کرو۔ اس کے بعد جواب لکھو تب تیسری دفعہ پھر پڑھ لیا کرو۔ غرض اس سے یہ ہے کہ مضمون ذہن پر نقش ہو جائے۔ اور جب کسی مضمون کو سوچو تو اس یادداشت سے مدد ملے۔

افسوس ہے کہ آج مجھکو اس کی ضرورت پیش آئی کہ خفگی کے اظہار کے ساتھ
تم کو اپنا منشا، بتاؤں۔ کھانے کو تو خود لگا کے بھیجا ہے۔ پان واپس کرتا ہوں کچھ
چونہ کو کم کرو۔ میں چونہ کو زیادہ چاہتا تھا۔ مگر اتنا زیادہ نہیں، تم نے چونہ بھی حد سے
بڑھا دیا۔ اور کتھے کے بھی ٹم لگانے شروع کر دیے۔ میں نے دو دفعہ تم کو ہنسی کے اشاروں
میں سمجھایا۔ آج مجبوراً پان واپس کرتا ہوں۔ مجھے اس وقت بہت غصہ آرہا
ہے۔ تم کسی سے کچھ ذکر نہ کرو۔ اور چپ چاپ پان درست کر کے دو کہ چونہ
اور کتھ نہ کم ہو جائے۔ نہ اتنا لتھڑا ہوا ہو۔

لکھنے کی محنت سے چٹکی پھوڑے کی طرح دُکھ رہی ہے۔ مگر خط کا شکریہ ادا
کرنا لازم ہے۔
ہاں خدا چلہ کے یہ چودہ دن بھی آسان کر دے گا۔ سویرے ارہر کی دال
پکا دینا۔ کم گھی کی۔

دوستوں کے نام

عید کارڈ اس کو ملا جو عید و محرم کے امتیاز سے ناآشنا ہے۔ رسموں کی دنیا
میں سانس لینے کو نمودار ہونا اور پھر نمودار رہنا از بس دشوار ہے۔ مگر بقول کسی کے
کن کے ہاتھوں غریب کائنات کو سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔
مجھکو پانی پینے۔ روٹی کھانے۔ کمبل اوڑھنے۔ ویرانوں کے دیکھنے۔ قبروں کی
بوسیدہ ہڈیوں سے باتیں کرنے میں اتنا وقت خرچ کرنا پڑتا ہے کہ آپ کا وعظ دوبارہ
سننا محال نظر آتا ہے۔ اگر نپولین نے سچ کہا ہے کہ محال اور ناممکن کوئی چیز نہیں۔

تو کبھی پھر بھی اس کا موقع نظر آجائے گا۔

مجھکو بخار سے از حد نفرت ہے۔ گو جانتا ہوں کہ زندگی بھی ایک بخار ہے۔ اور جیسی حرارت پر اس کا مدار ہے۔ مگر وہ بخار جو تم کو ستایا کرتا ہے۔ اب جاتا رہے تو اچھا ہے۔ اس خط کو لکھتے وقت میرے دل نے کہا کہ خدا نے تم کو تندرستی دی۔ یہ سنکر مجھکو اطمینان ہوا۔ والسلام۔

نغمۂ ناسوتی کاغذ کے پرزے میں لپٹا ہوا ملا۔ دل کے کانوں سے سنا۔ اور جسم کی آنکھ سے پڑہا۔

ہاں میں نے اپنے دل سے سناتہا کہ وہ پھر صدائے ہُو عالم بالا سے مانگتا ہے۔ کسی دن فرصت ہو۔ سانس کی پھانسیں اپنی کھٹک سے باز آئیں تو پاس انفاس اور نفی اثبات کی سیر کرنا۔

آج ذرا سانس آیا۔ بخار کے حملوں سے نجات ملی۔ عشرہ کے دن میری لڑکی حور بانو اصرار نہ کرتی تو کربلا جانا محال تھا۔ وہ گئی اور مجکو بھی لے گئی۔

یہ بخار سالانہ ٹیکس ہے۔ دنیا کے حاکم نے تو ٹیکس سے آزاد رکھا ہے۔ مگر اُن دیکھا سلطان اُس جنس ناکارہ سے ٹیکس لیتا ہے۔ جس میں ادائیگی کی بہت کم گنجائش ہے۔

میں نے ساری بیماری میں صرف ایک بار اللہ کو پکارا۔ ورنہ اکثر اُس کو پاس ہی دیکھا۔ پکارنے کی ضرورت نہ پڑی۔ پلنگ کی پٹّی پر سر جھکائے بیٹھا رہتا تھا۔ گویا اُس کو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ اُسی نے مجھکو مبتلائے کرب کیا ہے۔ ایسے انجان کو کیا کہوں۔ غصہ بھی آتا ہے۔ اور اس کی بناوٹی سادگی پر پیار بھی۔

دیکھو جب کبھی بیمار ہو تو خیال کرنا وہ ضرور تمہارے پاس ہوگا۔ بڑا تیماردار ہے
چٹکی لیکر دلاسا دینا اس کا شیوہ ہے۔ انہی باتوں سے تو میں نے اسکو دل دیا ہے۔ تم
بھی سب سے اپنا دل کھینچ لو۔ اور اس نامعلوم مگر معلوم شئے کے سپرد کردو۔ اس کا نام خدا
ہے۔ ایشور ہے۔ گاڈ ہے۔ پر بڑا ہی جلّاد ہے۔

آفتاب برجِ معرفت کے نام ذرۂ نورِ حقیقت کا پیام پہنچا۔
مجھکو سورج ناحق لکھا۔ آج کل تو میں اس کی دختر دھوپ کی پوجا کیا کرتا
ہوں۔ بُرج اور معرفت دونوں سے ناآشنا ہوں۔
نظام المشائخ و اسوۂ حسنہ کی رسید ملی۔ اطمینان ہوا۔ زیادہ اظہارِ تکلّف
شکریہ میں نہ کرو۔ ع چہ کند بے نوا ہمی دارد۔
میں تو بہت خوشی سے چاہتا ہوں کہ تمہاری نظم و نثر رسالہ نظام المشائخ
و اسوۂ حسنہ میں چھپے۔ مگر جبکہ تم اُف اور آہ ہو تو اخباری کاغذ جل جائیں گے
میرے خیال میں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔
ہر شخص کی جدا گانہ رائے ہوتی ہے۔ دنیا میں مردم شناسی کم ہے ظاہری
حال کو دیکھا جاتا ہے۔
تندرستوں سے مجھے کچھ زیادہ اُنس نہیں ہے۔ بیماروں کو پسند کرتا
ہوں۔ خواہ کسی قسم کا مرض رکھتے ہوں۔
تمہارے احمد آباد گجرات کے ایک شخص جو میرے مرید ہیں دس روز سے پولیس
کی حراست میں بھیجدیے گئے تھے۔ اور آج کل دہلی جیل میں ہیں۔ گناہ آج تک
معلوم نہ ہوا۔ ان کی کوششوں میں ذرا آج کل مصروفیت زیادہ ہے۔
یوسف بہت ہونہار بچہ ہے۔ ایک بار دیکھکر مجھکو یاد رکھا۔ جمعرات کو درگاہ

میں آیا تو سلام گیا۔ میرا دلی پیار اُس تک پہنچانا۔

مضمون والا خط دیکھتے ہی میں نے رسید لکھدی تھی۔ نظم تو آپ کی خطیب میں چھپ گئی۔ نثر بھی چھپ جائے گی۔

گزشتہ ہفتہ میرا عقد تھا۔ اس لئے مفصل خط لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ اہلیہ سابق کے انتقال کو سات برس ہوئے بارہ برس کی ایک لڑکی ہے جو خالہ کے پاس رہتی تھی۔ اور اب میرے پاس آگئی ہے۔

اس کی کیا وجہ کہ میرا رسید والا خط گم ہو گیا۔ عزیز محمد یوسف کو دعا۔

سولہ تاریخ سولہ کا سن۔ کیوں نہ کہوں میسر ہوں تم کو مرادوں کے دن۔ کرشن جی کی لائف لکھ رہا ہوں۔ اندھیرے سے لے کر اندھیرے تک کام کرتا ہوں مطالعہ بھی، کتابوں کا باہمی مقابلہ بھی۔ اس پر محاکمہ بھی۔ تمنا یہ ہے کہ ایک حسین آدمی کی حیات ایسی لکھوں جو اردو زبان میں سب سے زیادہ حسین ہو۔

شاہ صاحب دلی میں زخمی پڑے ہیں۔ اخلاق کا تقاضہ تھا۔ ان کی خبر لینے جایا کرتا۔ وعدہ بھی کیا تھا۔ مگر کنھیا جی کی بانسلی سُن چکوں تو باہر کا ہوش ہو۔

آپ کا خط آج آیا۔ محمد مختار نام دیکھ کر شوق دید میں بے اختیار ہوا۔

وہ صاحب مجھ سے ضرور ناراض ہو گئے۔ کئی دن سے نہیں ملا۔ مگر میں مہا بھارت کے بہادر صاحب سے جی لگا بیٹھا۔ وہ کہتے ہیں کہیں نہ جاؤ۔ ہماری بیتی ختم کر لو تو کسی اور کو دیکھو۔

خط ملا۔ احوالِ علالت سے فکر بڑھا۔ پانچواں دن ہے میں نے ایک خواب

دیکھا تھا۔ جس سے بہن کی علالت کی زیادتی معلوم ہوتی تھی۔ شاہ صاحب کے ہاں گیا تو ان سے یہ خواب بیان کیا۔ انہوں نے خواب سُن کر آپ کا خط سامنے رکھ دیا۔ جس میں اس کا ذکر تھا۔

بہر حال اندیشہ نہ کیجئے۔ خدا صحت دے گا۔ میں نے آپ کو خاص درگاہ کے اندر دیکھا تھا۔

پھر وہاں نہ جا سکا۔ اُس دن کے بعد پرسوں جانا ہوا تھا۔ کیونکہ مجھکو بھی غشی کا دورہ ہو گیا۔ جو عہدِ طفلی سے ہوا کرتا ہے۔ اس کے سبب چند روز مضمحل رہا۔ عزیز محمد یوسف کو دعا۔

اسرار حقیقت کا پردہ پوش، خط ملا۔ نظم و نثر ایڈیٹر خطیب کو بھیجدی۔ تمہارے جسم کی حرارتوں نے تم کو افسردہ کر رکھا ہے۔ اسی کا نام بخار ہے۔ خدا زندگی کو راحت و آرام سے گزارے۔ یہی دعا کافی ہے۔

ہاں یہ بھی کہ راحتِ دل۔ آب و دیدہ۔ وقت خوش عنایت فرمائے۔

تعویذوں کا لکھنا تو آتا ہے۔ مگر دینا نہیں آتا۔ بچوں کو دعا روانہ کر سکتا ہوں، آدمی کے لئے نقل و حرکت بھی ضروری ہے۔ باہر کی ہوا کو بھی کبھی کبھی پوچھ لیا کرو۔ ہر وقت گوشہ میں رہنا مضر صحت ہے۔ جسم کے اطبائے حاذق کا ایسا ہی خیال ہے۔

عزیزم محمد یوسف کو ایک نظر دیکھائی۔ مہینے بھر کے نونہال کا سلام کیوں کر لوں۔ وہ دربارِ وحدت سے ابھی آیا ہے۔ بڑی شان رکھتا ہے۔ میں اس سے بہت دُور نکل آیا ہوں۔ خدا اس کی عمر دراز کرے۔

درویش خانۂ شما میں آنے کا قلندروں نے ہنوز کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ جب ہو گا اطلاع دی جائے گی۔ والسلام۔

(۲) آپ کو میرے خط کا انتظار ہوگا۔ دنیا کا تماشہ ہے۔ جن کے خط کی لوگ راہ دیکھا کرتے ہیں۔ اُن کو بھی کسی کے خط کی راہ دیکھنی پڑتی ہے۔

عزیز یوسف کی صحت کی خبر مع مٹھائی کے ملی۔ الحمدللہ کہ وہ اچھے ہوئے۔ میں بھی ایک مہینے اپنی بیوی اور ان کی چھوٹی بہنوں کی چیچک کی تیمار داری کرنے میں بے فرصت رہا۔ اب سب اچھے ہوئے تو میں نے گھر سے قدم نکالا۔

میں عقیدت، محبت، اُنس، سب الفاظ کے مفہوم سے جُدا ہوں محض لطف ادب و شائستگی کی قدر میں یہ خط و کتابت ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا یہ نہیں تو وہ نہیں اور وہ نہیں تو یہ کہاں۔

عید کو آٹھ دن ہو گئے۔ اور عید کارڈ کو سات۔ میں اب تک مبارکبادوں کے بوجھ سے سر نہ اٹھا سکا۔

سفر دکن و بمبئی ختم کیا۔ گھر آیا تو سفر رمضان کو گھر میں پایا۔ عید کے مشکوک چاند نے اس سفر کو ختم کیا تھا کہ سترہویں حضرت امیر خسروؒ کے نقارہ پر چوب پڑی۔ میری عید۔ نہ دید۔ نہ شنید۔ ہر کام سب کرنے پڑتے ہیں۔ شاباش میاں یوسف کو۔ سنتا ہوں کئی روزے رکھے۔ ان کی عیدی بھی نہ بھیج سکا۔ لکھ تو رہا ہوں۔ مگر ڈر ہے کہ پھول والوں کی سیر آپ کو قلب صاحب نہ لے گئی ہو۔

ایک کتاب جس کا نام انتخاب توحید ہے تمہارے منتخب موحدانہ خیالات کی دلچسپی کے لئے روانہ کرتا ہوں۔

میں خوش ہوں کہ تمہارا دل بیمار ہے۔ اور دعا کرتا ہوں کہ تمہارا دل بیماری

سے نجات پائے۔

بخدمت سردار دیوان سنگھ صاحب مفتوںؔ

مفتونِ من۔ ست سری اکال۔

وہ خط جس میں قاتل مقتول کا بیان تھا۔ دلّی سے بمبئی آیا۔ آپ کے خیال میں میں قاتل آپ مقتول ہیں۔ اس لئے برداشتہ خاطر اور افسردہ وملول ہیں ایشیائی شاعری کے استعارے بھی حرب وضرب سے خالی ہنیں۔ انگریزی سرکار کس کس پر لائسنس لگائے گی۔ کہاں کہاں پریس ایکٹ مستعمل ہوگا۔ آپ ڈاکٹر ہیں۔ میں مریض ہوں۔ آپ کے ہاتھ میں نشتر ہے۔ میرے دل میں ناسور ہے پھر خبر ہنیں کون قاتل۔ کون مقتول ہے۔

بہر حال آپ کی محبت اور قدر دانی الفاظ ومعانی سے دل تر وتازہ ہوا سخن فہم کا ایک اشارہ جی میں ولولے پیدا کر دیتا ہے۔ کجا کہ بازار ماتم گرما گیا۔ میں نے لکھنے سے عہد ہنیں کیا۔ اخباروں کی نمود سے بیزار ہوا ہوں۔ آپ ہی انصاف کیجئے۔ اب ہندوستان کے اخبار حقانیت اور روحانیت کے ماتحت ہیں۔ یا اغراض ذاتی کے۔ اور ہندوستان پر کیا منحصر ہے۔ گورے ملکوں کے اخبار بھی برہم کنندہ امن وامان ہیں۔ پھر میں کیوں ان کاغذوں میں اوقات ضائع کروں۔ ضمیر کو گھن لگاؤں۔ لکھوں گا مگر لکھنے کے اور بہتیرے میدان ہیں۔

سردار بابا۔ ست سری اکال۔

وہ خط پہنچا جس پر موتوں کے کئی ٹکٹ تھے۔ اور جنھوں نے اُس کو اپنے چہروں کی یادگار دی تھی۔ اس کو رجسٹری کہتے ہیں۔

تم مجھکو دیکھنا چاہتے ہو۔ میں بھی چشم دیدار طلب لے کر دنیا میں آیا تھا۔ مگر چند روز ہوئے یہاں سے چلا گیا۔ اب وہاں ہوں جہاں سے مجھکو بھی کچھ خودی کی خبر نہیں آتی۔ ۱۸ر فروری سے ۲۶ فروری تک بانکے پور والہ آباد کا سفر ہے۔ اس کے بعد یہ بندہ ہے اور اپنا گھر ہے۔ آپ شوق سے آئیں۔ میرے گھر کی زمین آپ کے چرنوں سے ہم آغوش ہو کر مسرور ہوگی۔

زمیندارو توحید کی نسبت افسوس نہ کرو کہ شراب تلخ ہوتی ہے۔ اور اس کے حجاب کے پیچھے متوالا سرور میسر آتا ہے۔

۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۴ء

مفتون شاہ بابا۔

ست سری اکال۔ اس کو تاروں میں اُلجھاتے ہو جس کے سر کے بال تک جدا ہو گئے لمبی زلفیں سامنے پڑی یہیں بندھی رکھی ہیں۔ بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ سر کی دولت قدموں میں آگئی۔

آپ کا تار پڑھا نہ گیا خط سے تشریح ہوئی۔ یہ محبت کی ڈیوٹی پوری کی گئی۔ میں شکریہ ہرگز نہ لکھوں گا۔ اور لکھتا بھی تو لکھنے کون دیتا ہے۔ چکر آتے ہیں خاطر داریاں کرنے والے قلم روکتے ہیں۔

مرض سے تو فراق ہو گیا۔ پہلو میں ناتوانی کے ناز و انداز ہنوز موجود ہیں۔ جبتک یہ مہمان ہیں میں میرٹھ کی قمیص احمر دلال کرتی) کا دامن نہیں چھوڑ سکتا۔

مہاراجہ کرشن پرشاد نے آپ کے حوالے سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ آریہ سکھ کے معانقہ پر میں نے اس کا دیباچہ لکھ کر واپس کر دیا۔ یہ عہد عتیق کی باتیں ہیں۔ اب تو نہ لکھنے کا ہوش ہے نہ پڑھنے کے حواس۔ کیوں رے ڈاکٹر نکلی دل کی پھانس۔

سردار صاحب!
ست سری اکال - نامہ گرامی اور پیکٹ اخبارات پہنچا - میں پھر موسمی حملے کا
ہدف بن گیا تھا - اس لئے جواب میں دیر ہوئی -
مہاراجہ کشن پرشاد صاحب کا تار آیا ہے - آپ کو اور مجھکو حیدرآباد بلاتے
ہیں - میں نے تو فیصلہ کرلیا ہے کہ کل جاؤں گا - کیونکہ آب و ہوا کی تبدیلی ضرور ہے
مگر آپ کو معلوم نہیں امور خانگی سے اتنی فرصت پاسکتے ہیں یا نہیں -
اب خیریت نامے حیدرآباد مہاراجہ کی معرفت بھیجئے گا -
(ایک بار دیکھ کر دوسری دفعہ دیکھنے کی ہوس رکھنے والا)

۱۴ر جنوری ۱۹۱۵ء

داتا!
تین خط آئے - مگر مبتلائے زکام و بخار تھا - جواب کیونکر لکھتا - ذرا حالت پاؤں
تو لکھوں -
جناب اکبر سے مضمون کے لئے عرض کر دیا گیا - مگر وہ خاموش ہو گئے -
طالب خود ان کو لکھیں تو مناسب ہے - جناب اکبر کے پاس اس قدر خطوط آتے
ہیں - اور مضامین مانگے جاتے ہیں - کہ وہ اُکتا گئے ہیں -

۲۲ر جون ۱۹۱۵ء

ڈیر ڈاکٹر! بڑا قلق ہے کہ میں وعدہ کے موافق ٹھیک وقت پر تیار نہ ہوا
نہ آسکا - مسٹر مظہر الحق بیرسٹر آگئے تھے - یہاں آکر آپ کا تار اور خط ملا - افسوس کہ
وقت نکل گیا -
بہرحال مانسہ میں آپ کو دیکھنے آتا ہوں - چند گھڑیاں ٹھہروں گا - جیسا کہ

آپ ٹھہرا کرتے ہیں۔ کل ۲۴ر جون کو یہاں سے چل کر ایک رات دن انبالہ میں رہوں گا۔ ۲۵ر کی رات کو روانہ ہو کر بمبئی میل میں مانسہ آؤں گا۔ اور گویا ۲۶ر کی صبح ۹ بجے آپ کی دید شنید میسر آئے گی۔ اور اسی کی شام کو براہ بھٹنڈہ دہلی کو کوچ ہوگا۔

۱۷ر اگست ۱۹۱۵ء

پیارے مفتون!

دہلی آیا۔ مگر کیا خاک آیا۔ ہجوم اعدا میں آیا۔ گھر والوں نے یورش پر کمر باندھی ہے۔ حکام سے جا کر خبر نہیں کیا کیا کہا کہ وہ درپئے آزار ہیں۔ ڈاک پر پولس کا پہرہ ہے۔ کئی کئی روز میں خط ملتے ہیں۔ آپ کا عید کارڈ بھی آج ۵ر شوال کو ملا۔ لفافہ چاک تھا۔

ہر صبح و شام نئے خطرے کا انتظار رہتا ہے۔

ہر طرح اطمینان ہے۔ تم بھی بیفکر رہو۔ سب مشکلیں آسان ہوں گی۔ جو رباتو عید کارڈ کی شکر گزار ہے۔ اور میں تو اسکو چومتا ہوں کہ پیارے کی پیاری نشانی ہے۔

۱۸ر اگست ۱۹۱۵ء

پیارے مفتون! بیرنگ خط پہنچا۔ یہ معلوم کر کے کمال فکر ہوا کہ شریر بے وفا نے شرارت کی۔ خدا تعالے صحت عطا فرمائے۔

میں نے کل ایک مانسہ بھیجا ہے۔ مگر آج خدا کے فضل سے یہ لکھتا ہوں کہ وہ تفکرات دور ہو گئے۔ اب ڈاک آزاد ہے۔ روزانہ خیریت نامہ لکھو۔ ورنہ بے چینی رہے گی۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

---

۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء

جو دم گزرے غنیمت ہے۔ آپ کے خط آتے ہیں۔ دیکھتا ہوں۔ مگر جواب لکھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ جی سرد ہو گیا ہے۔

پرسوں شملہ کا قصد ہے۔ شاید فائدہ ہو۔ سردار بختاور سنگھ صاحب کو سلام۔

---

۲۸ ستمبر ۱۹۱۵ء

یہاں ہوں۔ میرے ولدار جس کو سیم لا۔ اور شملہ کہتے ہیں۔ خط لکھ چکا ہوں۔ فکر نہ کرو۔ اچھا ہوں۔ اور دس دن تک ٹھہرنا مانگتا ہوں۔ خدا دے۔

بختاور سنگھ کو سلام۔ والدہ صاحبہ کو پرنام

---

۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء

پیارے مفتون! آپ کے دو خط ملے۔ میں جلسے میں کیونکر شریک ہو سکتا ہوں۔ شملہ پر آنے کی بمشکل اجازت دی گئی تھی۔ تاہم میں کوشش کر کے اجازت حاصل کر لیتا مگر جلسہ عید کے ایام میں ہے۔ اور ان ایام میں میرا جلسے میں آنا بالکل ناممکن ہے ع

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گذر گئے

پڑھتا ہوں اور جلسہ نہ دیکھنے پر متاسف ہوں۔ خدا پھر کوئی موسم لائے گا۔ اور اس شاندار اجتماع سے دل مسرور کروں گا۔

---

۱۸ اکتوبر ۱۹۱۵ء

سردار صاحب!

تسلیم۔ لکھ چکا ہوں کہ ہجوم افکارِ اسیری[لہ] میں کسی صورت جلسے میں شریک نہیں ہو سکتا

لہ پولیس کی نگرانی اس زمانہ میں سخت تھی۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۱۵ء

ڈیر مفتون! دو خط ملے۔ ہاں حساب سے معلوم ہوا کہ عید بعد ہے اور جلسہ پہلے مگر وقت بہت قریب ہے۔ مجھے گھر کے معاملوں کی بھی خبر لینی ہے۔ جو حیدرآباد اور رنگون سے آئے ہوئے پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ وہی عذر جس کا اشارہ کر چکا ہوں اب قوی ہے۔

جی ہاں ان دنوں میری شان بڑی ہے۔ اردلی نہ ہو تو بات ہی کیا ہے۔ میرا ہیرنگ اور مضمون۔ توبہ کیجئے۔ وہ نظام المشائخ کے صدہا تقاضوں پر اور میری سفارشوں پر تو ایک حرف لکھتے نہیں۔ کجا کہ نانک نمبر کے لئے کچھ لکھیں۔ تاہم میرے حوالے سے آپ ان کو لکھ کے دیکھئے شاید جواب بھی نہ آئے۔

میں آج شام کو چھ بجے شملہ سے چل کر کل صبح دہلی پہنچوں گا۔ والسلام

---

۲۳ دسمبر ۱۹۱۵ء

مفتون جانم!

میرا دل تم ہی میں تھا۔ مگر خط نہ لکھنے کی بیشمار وجوہات باعث تھیں۔ ایک بڑی وجہ یہ کہ پھر جی کچھ خراب ہو گیا ہے۔

مضمون نہ لکھا گیا۔ نہ وہ کتاب پڑھی گئی جو آپ نے بھیجی تھی۔ اس دفعہ تو مجھکو معافی دو۔

میرا پرمو جیل نشین ہو گیا۔ اس نے اور جان کو ہلکان کر رکھا ہے۔ میری کتابیں تو آپ کے پاس موجود ہیں۔ پھر یہ کس واسطے وی پی مانگتے ہو۔ لائبریری کے لئے درکار ہیں یا اپنے لئے۔ اپنے واسطے مقصود ہیں تو وی پی کی ضرورت نہیں ہے بھیجدی جائیں گی۔ سردار بنجادر سنگھ صاحب کو سلام۔ آج تک ظاہری سلام تھا۔ اس نے

لفافہ کے اوپر لکھا جاتا تھا۔ اب اُن کا درجہ بڑھایا جاتا ہے۔ اور خط کے اندر جگہ دی جاتی ہے۔

۵ر جنوری ۱۹۱۶ء

دل جان مفتونِ تو باشد

مانسہ کی ہوا کا بلاوا قابلِ قبول ہے۔ مگر پرسوں نئی دنیا کی سیر شروع ہوئی ہے۔ یعنی عقد کیا ہے۔

انتخاب نظام المشائخ اور کلیات اکبر حصۂ اول تو روانہ ہوسکتے تھے۔ غلطی سے رہ گئے۔ مگر مجموعۂ مضامین میرٹھ میں دھوم دھام سے چھپ رہا ہے۔ کلیات اکبر حصۂ دوم ختم ہوگیا۔ دوبارہ چھپ رہا ہے۔

چٹکیاں کیا لوں۔ جسم ہی غائب ہیں۔ سب کو لڑائی نے کھینچ لیا۔ تقاضوں سے مجبور ہوکر کچھ لکھ دیتا ہوں۔

الحمد للہ اب صحت درست ہے۔ البتہ کام کی زیادتی کے قابل نہیں ہے۔

۹ر فروری ۱۹۱۶ء

ڈیر مفتون!

اجمیر شریف گیا ہوا تھا۔ اس لئے خطوط کے جواب نہ دیسکا۔ مہاراجہ صاحب آجکل وہیں ہیں۔ شاید دہلی بھی آئیں۔

حضرت بابا نانک صاحب کی لائف لکھنا میری سعادت ہے۔ جن حضرات کے آپ نے نام لکھے ہیں ان سب سے مدد دینے کا وعدہ لیجئے۔ میں اپنے ضروری کاموں سے فراغت حاصل کرکے ادھر متوجہ ہوجاؤں گا۔ کام ایسا آسان نہیں ہے کہ ایک

مہینے میں ہو جائے۔ میں لکھوں گا تو ایسی لکھوں گا کہ اردو ادب میں بے نظیر چیز ہو۔ اور یہ بغیر ایک سال کے ناممکن ہے۔ ہفتہ میں ایک دن پورے خلوص کا اُس کو دوں گا۔ بھاگ دوڑ کا لکھنا کیا مزا دے گا۔

میں نے عقد کر لیا۔ اب دیکھئے آپ کب اسیر ہوتے ہیں۔

---

۳ / اپریل ۱۹۱۶ء

میرے پردیسی! خدا ریگستان سے جلد واپس لائے۔ خط ملا محبت کی خوشبو پہنچی جی لشاش ہوا۔ جلسوں میں نہ بلاؤ۔ خود آؤ۔ دکھڑا دکھاؤ کہ آنکھیں تم کو مانگتی ہیں۔ جی خراب رہتا ہے۔ کہتے ہیں جگر خراب ہے۔ ڈاکٹر نے مرچیں بند کر دی ہیں۔ کھانے کا مزا رہا سہا بھی جاتا رہا۔

---

۱۳ / اپریل ۱۹۱۶ء

میرے سیلانی مستانے!

خط آیا۔ کیا بتاؤں جگر کا حال۔ اچھا ہے۔ بیوی کے کھسرہ نکلی تھی۔ خود جواب حُر بن گئی ہے۔ بیمار تھی۔ میری آنکھیں دکھتی تھیں۔

اب سب کو آرام ہے۔ اجمیر شریف جاتا ہوں۔ عرس کے بعد آؤں گا۔ ہو سکے تو وہاں آؤ۔

میر نثار احمد صاحب متولی درگاہ کے ہاں ٹھہروں گا۔ تین دن بعد یہاں سے روانگی ہو گی۔ اور وہاں آٹھ دن قیام۔

ستمبر ۱۹۱۶ء

اے دیوانے! مردانہ ہو کر ایسے ہراس کی بات۔ سلیقے گردگا بالکا مرے نہ

مارا جائے۔ گرو پر نظر رکھ۔ کیسا اپریشن۔ کیسا خوف۔ خدا فضل رکھے گا۔ اور
بال بیکا نہ ہوگا۔ اس کا خطرہ پاس بھی نہ آنے دینا۔
مگر یہ نہ لکھا مرض کیا ہے۔ مجھ سے مخفی رکھنے کی کیا ضرورت۔ ماتا کو خبر دیدو۔
ہوسکے تو پاس بُلا لو۔ اس بے خبری سے کیا حاصل۔
ہم سب دعائیں کریں گے۔ زور زور کے ساتھ تم کو مرنے سے بچائیں گے۔
اگرچہ زور سے تو لوگ مارا کرتے ہیں۔ گرو کا خالصہ زندہ باد۔ کتابیں روانہ کردی ہیں

---

۱۴ ستمبر ۱۹۱۶ء

مینی مینی تھینکس۔ خارگاڈ کہ آپ کو اپریشن سے بچالیا۔
سردار شہید کا اشتیاق ہوگیا۔ سردار امر سنگھ کو وہ جو انکے لائق ہے پہنچایئے۔

---

۱۸ دسمبر ۱۹۱۶ء

مفتونِ من! چالیس دن کے چلہ کے سبب خط نہ لکھ سکا۔ فرصت کم تھی۔
آج رات کو اس اکیلے مکان کی قید سے باہر نکلوں گا۔
خالصہ اخبار کو مضمون بھیجدیا ہے۔ بعنوان "منم خالصہ" آپ خالصہ اخبار
لائل گزٹ اور سب سکھ اخباروں میں اعلان شائع کرادیجئے کہ میں بابا نانک
صاحب اور تمام گرو صاحبان کی لائف لکھنے کو تیار ہوں۔ جو صاحب اس کام میں
قلمی مدد دے سکتے ہوں۔ وہ مجھ سے خط و کتابت کریں۔ تاکہ میں اپنے ذہن کے
منصوبہ اور خاکہ سے ان کو آگاہ کردوں۔ کیونکہ میں نہایت اہتمام سے اس کو
لکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اردو زبان کی ہر خوبی سے لبریز ہو۔ جنوری سے میں
اسی کام میں مصروف ہو جاؤں گا۔ لہٰذا اعلان جلدی کردیجئے۔

جناب سید مرتضیٰ صاحب لکھنوی۔

سلام علیکم۔ نامۂ گرامی نے قلب مطمئن کو ہوائے ایمان پہنچائی۔ دشمنانِ اہلبیت کی ارواحِ خبیثہ یورش کرتی ہیں۔ تو میں بھی بھوت اُتارنیوالوں میں پیدا ہوا ہوں۔ سنی ہوں سنی رہوں گا۔ مگر تادمِ مرگ دشمنانِ اہلبیت کو اپنے دامنِ سنیت کے قریب نہ آنے دوں گا

دل تنگ تو جب ہوں کہ معاویہؓ کو تلوار لیے زندہ دیکھوں۔ وہ لبسر ہیں۔ اور تیغِ روحانی نبی فاطمہؓ کے ہاتھ میں۔ تو دلتنگی کیوں ہو۔ ارض اللہ واسعہ۔ رزق اللہ واسعہ۔ سیف اللہ ساطعہ۔ فکیف یکون عبد اللہ ملوماً مدحوراً۔

آپ غالباً شیعہ ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب آپ سید ہیں۔ تو شیعہ سنی سے الگ ہیں کہ دونوں آپ کے گھر کے گدائی ہیں۔ والسلام۔

مُریدوں کے نام

غلام نظام الدین قریشی پریمی زبان گجراتی کے مشہور انشاپرداز مصنف کتب کثیر ساکن احمد آباد گجرات کے نام

از سکندرآباد۔ دکن ۳۰ شعبان سنہ ۱۳۴۱ھ

دیکھنا پرمو! دکن کے اس سبزہ زار کو۔ ایک چمن ہے۔ بڑا لمبا صحن ہے۔ صبح کے وقت جانور چہچہاتے ہیں۔ غمگین دل کو ستاتے ہیں۔ دن بھر انگریز گاڑیوں موٹروں میں سودا خریدنے آتے ہیں۔ یہ دوکان سب سے بڑی ہے۔ اس کے مالک مومن بھائی ہیں۔ اس لئے یہ گھر طور خانہ ہے۔ سب گھر والے داخل سلسلہ ہیں۔ ہر طرح کی خدمتیں

انجام دیتے ہیں۔

مجھکو آئے ہوئے آج پورے دس دن ہوگئے۔ اکثر اوقات مہاراجہ خود ملنے آتے ہیں۔ کبھی میں جاتا ہوں۔ اس کے علاوہ صبح سے لیکر آدھی رات تک ہجوم خلائق رہتا ہے۔ کب لکھوں۔ واحدی صاحب کے خطیب کو کیا دوں۔ کھانا بہت ہے مگر سونا کم۔ چاندی کا بھائی سونا نہیں۔ پلنگ کا سونا۔ سمجھا میرے پرتو۔

حسن نظامی کتابیں فروخت کرکے پیٹ پالتا ہے۔ اس کو مریدوں کے ہاتھ خدا نے نہیں ڈالا۔ پھر وہ کسی کی کیا پرواہ کرے گا۔ ناحسد کیا جاتا ہے۔ اپنی اپنی قسمت ہے

ع بن مانگے موتی ملیں۔ مانگے ملے نہ بھیک۔

احمد آباد کیا جاؤں۔ جی میں آتا ہے سیدھی راہ گھر کی دیکھوں۔ وہاں اگرچہ بہت سی آنکھیں دیکھنے اور بہت سے دل ملنے کے قابل ہیں۔ مگر وہ نہیں جس کے دم سے احمد آباد آباد ہوا تھا۔ شاید بمبئی سے الٹا پھروں تو دو سانس وہاں بھی لوں

محمد زماں برما کا خدا لے کر اُس وقت آئے کہ اپنے بچے خدا کے حکم سے دکن میں تھا۔ تاہم سب اشیاء مل گئیں۔

تم کہتے ہو چار دن سے خط نہیں ملے۔ میں نے تو چلتے وقت تم کو خط لکھا تھا۔ کیا وہ بھی محتسب کے ہاتھوں غارت ہوا۔

محمود بھائی میاں پیارے نے اپنے تحفہ کی رسید خطیب میں پائی یا نہیں۔ بغیر ایک آنہ کے ٹکٹ کے لینی منظور نہ ہو تو وہ بھی بھیجدوں۔ خط بالفعل یہیں بھیجو۔ جہاں ہوں گا مل جائے گا۔ اتنا کہکر رخصت مانگتا ہوں کہ آج رمضان کی چاند رات ہے۔ رات کے دس بجے ہیں۔ اس ماہ کا سب سے پہلا خط اپنے ماہ کو بھیجتا ہوں۔

---

۱۱ شوال سنہ ۱۳۳۲ھ
دہلی

میرے فکرمند پیارے! خط پہنچا۔ روز ارادہ کرتا تھا کہ خط لکھوں گا مگر اسقدر افکار

میں مبتلا تھا کہ آج تک اطمینان میسر نہ آتا تھا۔ اور ضرورت تھی اطمینان کی کہ تم کو آئندہ طرزِ عمل کے بارے میں رائے دیتا۔

عید کے موقعہ پر اور اس کے بعد میری ڈاک پولیس کے قبضہ میں تھی۔ دشمنوں نے جو گھر میں ہیں حکام کو بدظن کر دیا تھا۔ مگر جب ڈاک دیکھی گئی اور کوئی چیز قابلِ اعتراض نہ ملی تو وہ صاف ہو گئے۔ اور چیف کمشنر صاحب نے خاص حکم سے اس خلجان کو دور کرا دیا۔

اب عرس کی تیاریاں ہیں۔ مگر پرمو اب کا عرس بالکل روکھا معلوم ہوتا ہے۔ کہیں سے کسی کے آنے کی توقع نہیں معلوم ہوتی۔ اور میں خوش ہوں کہ کوئی نہ آئے کیونکہ جب منیجر نہیں ہے تو دفتر کس کام کا۔

از درگاہ شریف۔ دہلی۔ ۳۱ مارچ ۱۹۱۵ء

پرمو جانی۔ بہت لمبا۔ بہت بھدا۔ بہت پیارا خط پہنچا۔ میں پرسوں تم کو مفصل خط لکھ چکا ہوں۔ اچھا ہے حقدار کو مُلا تو تمہارا خط جناب اکبر کو پرسوں دکھاؤں گا وہ خوش ہوں گے۔ ۳ اپریل کو لکھنؤ میں مسز جیمسٹن نے ملاقات مقرر کی ہے۔ کل وہاں جا رہا ہوں۔ اسی ہفتہ میں واپس آجاؤں گا۔ جتنے لمبے لمبے خط لکھ سکو مجھ پر احسان ہوگا کہ تمہارے ہاتھوں کے چھالے الگ تفصیل سے دیکھنے چاہتا ہوں۔ اور ان کی دید پر مرتا ہوں۔ احمد آباد کے پریس سے بے فکر رہو حسنی شاہ کو برابر اس کے لئے لکھ رہا ہوں۔ رنگون کے پیر بھائیوں کو سلام کہنا۔

میرا پیار قبول کرو۔ ان آنکھوں کو آئینہ میں دیکھو جو پہلے اوروں کی تھیں اور اب میری۔

---

۱۴ اپریل ۱۹۱۵ء دہلی

میرے پرمو! یاد نہیں، میں کیا پریشان تھا جب کا تم نے آج کے دو خطوں میں

ذکر کیا۔ بھائی مجھے تکلیف اور خوشی کا صرف اُسی وقت پر احساس ہوتا ہے۔ پھر بھول جاتا ہوں۔ یہ خدا کا شکر ہے۔

آج تار بھی آیا۔ جواب تار میں دینا بے فائدہ ہے۔ تم کو فکر رہے تو اچھا ہے۔ فکر مند آدمی کامیاب رہتا ہے۔ حور بانو اب بالکل اچھی ہیں۔ بخار جاتا رہا چیف کمشنر صاحب صوبۂ دہلی سے پرسوں ملاقات ہوئی تھی۔ تازہ تفکرات کی صفائی ہو گئی۔ اب صرف گرمی کا فکر باقی ہے۔ یا یہ کہ حور بانو کی خالہ کی صاحبزادی بھی کچھ علیل ہیں۔ مگر ابھی غلام رسول خبر لایا کہ وہ بھی اچھی ہیں۔ گرم ہوا کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ میاں طاہر (نبیرۂ آزاد دہلوی) صبح نماز کے وقت آئے تھے۔ مضامین کی اصلاح لیکر دوپہر کو گئے۔ ہر چند سمجھایا۔ لُو لگ جائے گی۔ مر جائے گا۔ تیرا کیا جائے گا۔ مجکو رونا پڑے گا۔ ہنسکر کہا خدا کرے میرے سوا آپ کے سامنے کوئی نہ مرے۔ تاکہ آپ کے آنسو بھی میرے لئے مخصوص رہیں۔

طاہر گئے میں نے کمرہ کو بند کیا۔ اندھیرے میں لیٹا ہوں۔ پسینے چلے آتے ہیں۔ علیہ نے کہا پنکھا جھلوں۔ میں نے کہا نہیں۔ تصور کا مزا خاموشی میں ہے پنکھا ہرج ڈالے گا۔ تمہارے خط کو کئی بار پڑھا۔ آخر لکھنے بیٹھ گیا۔

وہ کہتے ہیں کچھ ڈر نہیں۔ مگر میں اس کچھ ڈر نہیں کو نہیں مانتا۔ ان کی تو یہ عادت ٹھہری اور میری چڑ۔

تم کو بھی خوب جانتا ہوں۔ حسن پرستی اور چیز ہے۔ مگر یہ بازاری عورتوں کا چکر بُرا ہوتا ہے۔ اس سے بچنا کہ ہر تباہی کی بنیاد اس میں ہے۔ اگر میں نے سنا کہ تم وہاں رنگون میں زنان بازار کے ہاں جاتے ہو تو زبردستی منع کر دوں گا۔

رنگون کی آزاد عشق بازی کے جو حالات تم نے لکھے ہیں ان سے میں مطمئن ہوا۔ جس ملک میں اتنی آزادی ہے وہاں بگڑنے کا اندیشہ کم ہے۔ کیونکہ زیادہ روک ٹوک

بگاڑتی ہے۔ اسی واسطے میں لوگوں کو روکتا نہیں، اشاروں میں سمجھا دیتا ہوں۔ اور یہی ہمارے بزرگوں کا دستور تھا۔

اس خط کو اپنے طرزِ عمل کے لئے شاہراہ بنانا کہ تمہاری اچھی زندگی سے میری روح کو بالیدگی ہوتی ہے۔ اور اس کے خلاف ہو تو صدمہ۔

---

۳۳ رمئی ۱۹۱۵ء — دہلی

میرے خرچو پرمو!

خط ملا۔ تصویریں ملیں۔ ایک حور نے لی۔ ایک استانی نے۔ ایک میں نے۔ اپنا کٹا ہوا سر لوگوں کے سینے پر لگا ہوا دیکھتا ہوں تو بڑا لطف آتا ہے۔

---

۲ رجون ۱۹۱۵ء — دہلی

پرمو جانم!

آج دو خط ملے۔ تمہارے روپے خرچ میں آ گئے تھے۔ مگر پھر خدا نے اور بھیج دئے۔ دوبارہ نہ بھیجو۔ الماریاں بن جائیں گی۔ دام ہیں۔ جوتے اور برساتی کی مجھے ضرورت نہ تھی۔ پیمانہ کیوں بھیجا۔

ہاں تم نے سچ لکھا کہ اب تم طوائف گردی میں پاکباز ہو۔ مگر بدگمان دل کا کیا علاج۔ اور بدگمانی ہمیشہ محبت میں ہوا کرتی ہے۔ میرا دل ہر وقت تمہاری نقل و حرکت میں رہتا ہے۔

وہ صاحب اپنی عادت سے لاچار ہیں۔ الزام اُن پر بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ مگر فقیر کے لئے آوارہ عورت کی صحبت سُمِ قاتل ہے۔

تم میرے مرید نہیں ہوئے۔ میں تمہارا مرید ہوا ہوں۔ اپنے پیر کو غیروں سے

بچانا میرا فرض ہے۔

میرے پردیسی تو کیا جانے۔ میں تجھکو یاد کرتا ہوں۔ تیرے لئے کیسے کیسے خیالی پلاؤ پکاتا ہوں۔ اور جب تیری فرمانبرداری کا پریم پتر ملتا ہے تو کیسا باغ باغ ہوتا ہوں۔

کچھ سُنا۔ جناب فلاں نے میری کتابیں چُرائیں۔ جس زمانہ میں فقیر ہو کر آئے اور میرے پاس رہے تھے۔ دوسو اسی روپے کی کتابیں تو کل دہلی میں دستیاب (گرفتار) ہوگئیں۔ باقی کا پتہ نہیں۔ زمانہ میں بھی کیسے عجیب عجیب تجربے ہوتے ہیں۔

دہلی

۱۱؍ جون ۱۹۱۵ء

میرے کلو!

خط آیا۔ سلیمہ محمود کا خط بھی آیا تھا۔ وہ ہر وقت مجھے یاد رہتے ہیں۔ حور بانو پر دوبارہ ہیضہ نے حملہ کیا۔ مگر خدا نے بچا لیا۔ اب وہ بالکل اچھی ہے۔

منشی ممتاز حسن بھی مبتلا ہوئے تھے۔ حالت خطرناک تھی۔ میں نے ہی ان کو قے کرائی۔ میں ہی بیت الخلا لے گیا۔ اور جب حالت غیر ہوئی تو میں ہی دوا حلق میں ٹپکاتا رہا۔ لوگ لڑتے تھے کہ اپنی جان بچاؤ۔ میں نے کہا اپنی ہی جان بچا رہا ہوں

نہ تو غیری نہ من غیرم

خدا نے فضل کیا۔ منشی جی بچ گئے۔ آج تین دن بعد ان کو کھچڑی ملی ہے۔ بکالرے کی شکایت زیادہ تھی۔ اب کم ہے۔

خدا نے ایک گھوڑا دیا ہے۔ گھانس تین ماہ پہلے مل گئی تھی۔ حیران تھا کہ گھانس کیا کروں۔ اب سمجھا کہ گھوڑے کا رزق پیشگی تھا۔ دانہ بھی اب تک تو ملے جاتا ہے اب گاڑی کا انتظار ہے۔ سب کو سلام۔

۳۰ر جون ۱۹۱۵ء — دہلی

باز عاشق شدم و دل بجوانے دادم

مرمو راگو کہ بیاید مبارکبادی!

پست قد بلند خیال گجراتی کو بعد ترسیل یک پھلجھڑی شبراتی کے معلوم ہو کہ آج تین خطوط کا اکٹھا جواب لکھنا چاہتا ہوں سیٹھ محمود کے ایک تحفہ کی رسید آج کے اخبار میں غالباً شائع ہو گی۔ یہ رسید ہے مگر اردو لٹریچر میں سب سے نئی چیز ہے۔

ایک محمود ایک دیوان سنگھ خطاب یافتہ مفتون شاہ دونوں کی رسید دی ہے۔

رمضان آ گیا۔ روزے قضا کرنیکے لئے سفر کا بہانہ تلاش کرتا ہوں۔ تم بھی عجب بہاماک پیر کے مرید ہوئے ہو۔ نہ نماز کا ٹھیک ہے۔ نہ روزے کا۔

محمود صاحب مجھکو پچیس روپے چار آنے کیسے دیتے ہیں۔ میں اسکو قبول نہیں کر سکتا۔ جبتک وجہ معلوم نہ ہو۔ دس روپے چار آنے لنگر کے لئے لے لوں گا۔ باقی سب امانت ہیں۔

تم تینوں کے بخار کا حال سنکر جی باغ باغ ہو گیا۔ خار اس کا ہے کہ میں بے سے آگے بڑھ کر خار تک نہ پہنچا۔

محمود کورٹ میں مشغول اور میں ان میں۔ یہ بھی شانِ خدا ہے۔

حفیظ الدین سیٹھ محمود اینڈ برادرز کو سلام کہنا۔ اور تم میری طرف سے اپنا کان مروڑ لینا۔ اس کی شاباشی پیشگی ارسال ہے۔

۲۹ر جولائی ۱۹۱۵ء — بمبئی

میرے پٹ نیجنے

سکندر آباد کا خط ملا تھا۔ اس کے بعد بمبئی میں دو خط آئے۔ دکن کے لبست روزہ سفر

میں دو حرف لکھنے دشوار تھے۔ اب ذرا اطمینان ملا ہے۔ مگر دیکھتا ہوں تو چاروں طرف خطوط ہی خطوط نظر آتے ہیں۔ اس واسطے مختصر لکھتا ہوں۔

بھیا احسان نے تصویر کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے یہ ان کی مولویت کی شدت ہے۔ ورنہ نصف تصویر کا فتویٰ ہو چکا ہے۔ کیا ڈر ہے۔ یہ فقرہ نہ ہو نہ سہی۔

میرا قصد تھا کہ احمد آباد نہ جاؤں کہ تمہارے دم سے احمد آباد آباد تھا۔ مگر قربتی شاہ نے نمازی شاہ کے معاملات کا حال لکھا ہے جس کے لئے مجھکو جانا لازمی نظر آتا ہے۔ اس واسطے آج ارادہ کر دیا۔ اب خط مجھکو احمد آباد بھیجنا۔ میں وہاں الوداع تک ٹھہروں گا۔

بیشک تم کو اپنے روپے کے حساب لینے کا حق ہے۔ میں خوش ہوا کہ تم نے ایک مسلمان کی طرح لکھا۔ گھر جاؤں گا تو کوڑی کوڑی کا حساب دوں گا۔

کیوں صاحب یہ ہمارے یوسف بھائی اینڈ میاں کس کورٹ میں ہیں؟ ان کا ذکر اب خط میں کیوں نہیں ہوتا۔ دونوں بھائیوں کو میرا سلام کہنا۔

اب کے سترھویں بھی سونی رہتی نظر آتی ہے۔

دہلی ۷ ستمبر سنہ ۱۹۱۵ء

پرمو پیارے! دل کے دلارے۔

سلام۔ تمہارے خط برابر ملتے رہے۔ مگر میں پہلے تو عرس کے انتظام میں اور پھر مکان کے سبب خط نہیں لکھ سکا۔ اس کے علاوہ خانگی مخالفوں کی بدولت چند روز میری ڈاک پر سنسر مقرر ہو گیا تھا۔ جو بعد میں چیف کمشنر صاحب نے خاص حکم کے ذریعہ اُٹھا دیا۔

عرس میں تمہاری یاد ہر زبان پر تھی۔ میں نے ایک مصرع تار میں بھیجا تھا تم پر

محفل سونی ہے۔ وہ تار روہن میں ہونے کے سبب کلکتہ میں رُک گیا۔ اور مجھ سے تیسرے روز اس کے معنی دریافت کئے گئے۔ خبر نہیں تم کو ملا یا نہیں۔

احمد آباد و سورت کے کوئی صاحب نہیں آئے۔ حیدر آباد کے دو قافلے آئے تھے۔ جن میں کچھ لوگ چلہ بھر قیام کریں گے۔ وقت پر تمہارے روپے مل گئے۔ بہت ضرورت خرچ کی تھی۔ خیال کرتا تھا کہ اس قحط سالی میں لنگر کیوں کر ہو گا۔ مگر خدا نے سب کام عمدگی سے کرا دئے۔

پیارے محمود کے روپے بھی جو میرے پاس باقی تھے لنگر میں لگا دئے۔ اس عرصہ میں میں نے کسی کو خط نہیں لکھا۔ سینکڑوں خطوط کے پشتارے لگ گئے ہیں۔

محمود کی دید کا بار بار خیال آتا ہے۔ مگر نومبر میں آنا مشکل ہے۔ شاید دسمبر میں آسکوں۔ ذوقی شاہ عرس پر واپس آئے۔ اور اب میرے ہی پاس ہیں۔ عرفانی میرٹھ کالج میں داخل ہو گئے۔ تمہاری پیر بہن عرفانی کی ہمشیرہ فرخ بانو پرسوں چل بسیں۔ خطیب میں ان کا مرثیہ پڑھو گے۔ تو مجھ سے ماتم پرسی کرنا کہ میرا جی آج سخت قلق میں ہے۔

میں نے مشوروں کا خط تم کو بھیج دیا تھا۔ پہنچا ہو گا۔ عبد الغفار صاحب باوجود وعدے کے نہیں آئے۔ جس کا مجھے رنج بھی ہے۔ اور خوشی بھی۔ خوشی اس کی کہ وہ ہوتے تو تم بہت یاد آتے۔ اچھا ہوا کہ وہ نہ آئے۔ وقت کم ہے۔ اس پر ختم۔

---

۲۷ ستمبر سنہ ۱۹۱۵ء شملہ

پرمو جانم!

دہلی میں خط ملا تھا۔ مگر جواب لکھنے سے پہلے شملہ آنا پڑا۔ تمہارے خط کا جواب پھر دوں گا۔ اس وقت تو یہ رسید ہے میرے شملہ پر ہونے کی۔

پیارے قاسم بھائی میاں کی تصویر اور کتاب مل گئی۔ میں تو ان کو ہمراہ
لیتا آیا ہوں۔ تاکہ شملہ کی برف سے ان کی مونچھیں سفید ہو جائیں۔ اور دل کی
وہ گرمی جو چہرہ پر نظر آتی ہے۔ ذرا قرار پکڑے۔

شملہ

۱۳ر اکتوبر ۱۹۱۵ء

ہر یالے پر ہو! حفیظ الدین دہلی پہنچ گئے۔ دستی خط ڈاک میں رات کو ملا۔
مخلصی شاہ کو آج خط لکھدیا کہ عورتوں کی دعوت بہت اچھی تجویز ہے۔ مگر کھانا
صرف ایک وقت کا ہونا چاہیئے۔ فرخ بیگم کی نیاز بھی اسی میں ہو جائے کیونکہ
وہ خواجگان کی لونڈی تھی۔ ان سے الگ نہ تھی۔

میرے عقد کی خوشی کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ ابھی اس کی کوئی
تاریخ لازمی مقرر نہیں ہوئی۔ ذی الحجہ میں ہونا ضروری ہے۔ غالباً آخر ماہ میں ہو گا۔

تمہاری لنگی کا کچھ شکریہ نہیں۔ عبد الغنی نو بھائی کے تولیہ کا البتہ شکریہ
اور دعا۔ اس کا معاوضہ۔

اگر دفتر کا حرج نہ ہو اور آسانی سے چھٹکارا مل سکے تو محرم میں مانا بدر
ضرور جاؤ۔ اس بہانہ سے ہم بھی تمہارا کالا مکھڑا دیکھ لیں گے۔ میری صحت کو
یہاں کے قیام سے فائدہ ہے۔ مگر کام بہت کرنا پڑتا ہے۔ لکھنا پڑھنا چھوٹ جائے
ایسی کوئی جگہ نہیں۔ اس پر ہجوم خلائق کا طرہ الگ۔

پرسوں رات کو بڑی بے چینی تھی۔ اس میں شملہ کی دیبی ماتا پر کچھ لکھا اور
تمہارے نام اس کو ڈیڈیکیٹ کیا۔ ۷ر اکتوبر میں چھپ جائے گا۔

اہلیہ بی بی کے نام

بزمانہ اسیری جیل دہلی جو سیاسی شبہ کے سبب نو مہینے قائم رہی

۳۰ نومبر ۱۹۱۵ء
دہلی

عزیزم! خط پہنچا۔ خیریت معلوم کرکے خوشی ہوئی۔ حکام جیل قابل شکر گزاری ہیں کہ انہوں نے تم کو خیریت لکھنے کی اجازت دی۔

میرا بخار اب جاتا رہا۔ روپیہ عبد القادر صاحب سے لے لوں گا۔ ابھی مجھکو ضرورت نہیں ہے۔ روئی کے کپڑے انہوں نے بنوائے تھے۔ مگر ابھی تیار نہیں ہوئے۔ آج پھر میں نے آدمی بھیجا ہے۔ بن گئے ہوں گے تو کل تم کو بھیجدوں گا۔

مجھکو تمہاری چار اور ناشتہ کا فکر رہتا ہے۔ مگر میں اتنی دور ہوں کہ اس کا کچھ انتظام نہیں کرسکتا۔ ناشتہ کے لئے چار کلچے روزانہ بھیجدیتا ہوں۔

اب تک تو میں نے خدا سے دعا نہیں کی تھی۔ کل جب دل کی بیقراری حد سے بڑھی تو لاچار میں نے خدا سے مانگا کہ تمہاری بیگناہی پر رحم کرے۔ اور تم کو نجات دے۔ وہ تو اس کی راہ دیکھا کرتا ہے کہ میں اس سے مانگوں۔ لہٰذا امید ہے کہ تم بہت جلد رہائی پاؤ گے۔

---

۱۲ صفر ۱۳۳۴ھ
دہلی

پرموپیارے! ۹ صفر کا کارڈ ۱۲ کو ملا۔ اسباب پرسوں غوثی کی معرفت آگیا۔ وہ کچھ کپڑے اور رضائی لے گئے ہیں۔

تم مایوس نہ ہو۔ میں قانونی کوشش سے غفلت نہ کروں گا۔ نہ ابتک کی ہے۔ حکام دہلی ہماری کوشش کے بغیر بھی بے انصافی نہیں کریں گے۔ ان کو رنگون کے مفصل

کاغذات کا اب تک انتظار ہے۔ جب ان کو یہ تحقیق ہو جائے گا کہ تم دوسرے شخص کے دھوکے میں اسیر ہو اور تمہارا ذاتی کچھ قصور نہیں ہے۔ تو وہ تم کو ضرور رہائی دیں گے۔

تم فقیر کے دیکھنے والے ہو تو قید سے غمگین کیوں ہوتے ہو۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ خود تمہاری روح جسم میں قید ہے اور جو خدا کی عبادت سے آزاد ہوتی ہے۔ اس وقت کو غنیمت جانو اور خوب نماز پڑھو۔ قرآن شریف یاد کرو۔ سورۂ یوسف۔ سورۂ مزمل سورۂ یٰسین شریف۔ سورۂ واقعہ۔ سورۂ تبارک الذی حفظ کرلو۔ ڈپٹی نذیر احمد کا قرآن شریف ترجمہ والا تمہارے پاس ہو تو اس کی فہرست دیکھ کر حکمت و فلسفہ کی آیات چھانٹ کر حفظ کرلو۔ یہ تم کو آئندہ رہائی کے زمانہ میں بہت مفید ہونگی۔

کھانے کا کچھ خیال نہ کرو۔ جو کچھ میسر آئے گا۔ پہلے تمہیں کھلاؤں گا۔ پیچھے آپ فروٹ اور مٹھائی بھی آئندہ کھانے کے ساتھ تم کو بھیجا کروں گا۔ میرے سوا یہاں سب گھر والے بلکہ سب درگاہ والے تمہارے لئے دعا مانگتے ہیں۔ حور بانو نے تو سیکڑوں منتیں مانی ہیں۔ ایک منت بڑی ہنسی کی مانی ہے۔ جس کا نام بی بی ترت پھرت کی پڑیا ہے۔ یعنی تم کو جلدی اور ترت پھرت رہائی ملے۔ وہ خود اور گھر میں کوئی روٹی نہیں کھاتا۔ جب تک تم کو کھانا نہیں روانہ کرلیتے۔

جس دن اسباب آیا ہے۔ میں نے تم کو خواب میں دیکھا کہ تم میرے پاس آئے ہو۔ صبح تمہارا اسباب آیا۔ اب خدا وہ دن کرے کہ خود تم بھی رہا ہو کر مجھ سے ملنے آؤ۔ خدا پر توکل رکھو۔ اس کے سوا کوئی کسی کا نہیں۔

---

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ　　　　　　　　　　　　　　دہلی

پرسو پیارے! شاد رہو۔ خدا تم پر مہربان رہے۔

بیشک پچھلے ہفتہ میں خط نہ لکھ سکا۔ اور تم کو انتظار رہا جس کا مجھے از حد قلق ہے۔

اگر خط نہ لکھ سکنے کی ایسی وجوہات تھیں جن کا بیان کرنا تم کو رنج میں ڈالنا ہوگا۔ خیر آئندہ جس طرح ممکن ہوگا برابر تم کو خط لکھتا رہوں گا۔

کھانا مجھ پر دوبھر نہیں ہے۔ تم ناحق اس کا فکر کرتے ہو۔ جب تک حکام دہلی اس کی اجازت دیں گے۔ میں کھانا بند نہیں کروں گا۔ اور اب تک انہوں نے مجھکو کھانا بھیجنے سے منع نہیں کیا ہے۔ میں حاکم وقت کے حکم کی تعمیل کو ہر وقت تیار رہوں۔ اگر وہ مجھکو کھانا دینے سے روکیں گے تو میں تم کو بادل ناخواستہ خدا کے سپرد کر کے کھانا بند کردوں گا۔ اور جب یہ نہیں تو اور کوئی وجہ کھانا بند کرنے کی نہیں ہو سکتی۔ مجھکو کچھ تکلیف نہیں ہے۔ نہ میرے گھر والے اس کو تکلیف سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کی عین خوشی ہے کہ جس طرح ممکن ہو وہ تمہاری خدمت کریں۔

پیارے صبر کو اپنا شیوہ بناؤ۔ اور خدا کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم رکھو۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جو چاہے گا کرے گا۔ کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں۔

احمد آباد کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے مجسٹریٹ نے تمہارے اہل و عیال کی تحقیقات کی ہے۔ غالباً تمہاری درخواست امداد کا نتیجہ نکلے گا۔ اور حکام ان کا وظیفہ مقرر کر دیں گے رضا میاں کو خط بھیج دیا ہے۔

عرس شریف قریب آیا۔ دیکھیے محبوب پاک اپنے پیاروں کو بلاتے ہیں یا ترستا رکھتے ہیں۔ ہم تو ہر حال میں ان کی مرضی کے ساتھ ہیں۔

اخبار خطیب کی اجازت لے لو۔ اس میں میرے مضمون بھی دیکھا کرنا مفصل خط لکھنے کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ مگر تفصیل کیا بیان کروں۔ قدرت نے ہر چیز کو مجمل کر دیا ہے۔ اور میں قدرت الہی کے منشار کے خلاف کچھ نہیں لکھ سکتا۔ لکھنا ہی کیا تھا۔ یہی کہ تمہاری تکلیف کی وجہ سے دل کو اس قدر تکلیف ہے کہ اس کے بیان کو بڑے تفصیلی دفتر درکار ہیں۔ مگر خدا چاہتا ہے کہ ہم دردِ دل ظاہر نہ کریں۔ اور ساکت ہو کر صبر

کرلیں۔

حور بانو اور میری اہلیہ تم کو سلام کہتی ہیں۔ اور جن کو تم نے سلام لکھا تھا وہ بھی سلام کہتے ہیں اور تمہاری رہائی کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔

دہلی

۷ اپریل ۱۹۱۶ء

عزیزم! سلام علیکم۔ خط مورخہ ۴ اپریل آج ملا۔ خیریت معلوم کرکے اطمینان ہوا۔ خاصکر یہ پڑھکے کہ غذا تم کو اچھی ملتی ہے۔ کیونکہ جس دن گھر میں یہ خبر آئی کہ کھانا صاحب نے واپس کردیا۔ تو سب عورتیں رونے لگیں۔ اور قیدیوں کی بُری خوراک کا جو چرچہ عام لوگوں میں ہے۔ اس کے خیال سے وہ غمگین ہوئیں۔ مگر آج کے خط سے اطمینان ہوا۔

میری دلی خواہش ہے کہ تمہاری بیگناہی ثابت ہوجائے۔ اور تم بُری ہوجاؤ۔ اگرچہ تم کو سات برس سے جانتا ہوں اور اس عرصہ میں میں نے کوئی بات تم میں باغیانہ نہیں پائی۔ اسی بنا پر میں نے حکام سے تمہاری سفارش کی تھی۔

تم یہ دعا رات دن میں ایک ہزار بار پڑھ لیا کرو۔ عجب چیز ہے۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

تمہارا اسباب وصول ہوگیا۔ اتالیق خطوط نویسی حصہ دوم۔ عطر وغیرہ مجھے یاد ہے۔ عنقریب بھیجوں گا۔ تیل اور شربت بھی اطمینان رکھو۔

اخبار زمیندار بند ہوگیا۔ اور خطیب کو پندرہ روزہ کردیا گیا ہے۔

حور بانو کو کالرہ ہوگیا تھا۔ اب اچھی ہے۔ لیلیٰ کی آنکھیں دکھتی تھیں۔ اب وہ بھی اچھی ہیں۔ اور دونوں سلام کہتی ہیں۔

ذوقی شاہ کی ٹانگ میں زخم ہے۔ دو ماہ سے دہلی میں علاج کرا رہے ہیں۔

کل آئے تھے۔ سلام کہدوں گا۔ عزفانی سلام کہتے ہیں۔

میں حسب حال ہیں ہوں خدا کا شکر ہے۔ گرمی سخت ہوتی جاتی ہے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ (ان الفاظ میں حکام کی سختی کا اشارہ ہے۔ حسن نظامی)

---

۲۰ اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

دہلی

عزیزم پریمی! سلامت رہو۔ خط آیا۔ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ اس لئے جواب نہ دے سکا۔ اب بھی نظر صاف نہیں ہوئی۔

مجھے اطمینان ہوا کہ واقعی تم بے گناہ ہو۔ حسب ذیل اشیا عنقریب روانہ کروں گا۔ تیل کی شیشی۔ شربت کی بوتل۔ مچھر بھگانے کی دوا۔ سفید رومال۔ پنکھا۔ اتالیق حصہ دوم۔ اسوۂ حسنہ اپریل۔ نظام المشائخ۔ ترجمہ کیمیائے سعادت بھیجوں گا۔ تم بال ضرور بڑھاؤ۔

تمہارے خواب یعنی زیارت آنحضرتؐ کی تعبیر صاف ہے کہ رہائی نصیب ہوگی۔ اور آئندہ زندگی فارغ البال اور عروج کی گزرے گی۔ کیونکہ لنگری شاہ کے بالا خانے پر زیارت ہوئی ہے۔ لنگری سے مراد رزق واسع ہے اور بالاخانہ سے عروج۔

حور بانو سلام اور سیلئے دعا کہتی ہیں۔ اور سب لوگ نام بنام پوچھتے ہیں۔

---

۱۱ مئی سنہ ۱۹۱۶ء

دہلی

عزیزم السلام علیکم۔ خط ملا۔ مضمون پڑھ کر تعجب ہوا۔ میں تم کو عطر کی شیشی روانہ کر چکا ہوں۔ کیا تم کو وہ نہیں ملی؟

خیر۔ آج جلو کے ہاتھ پھر اگر کی بتیاں۔ عطر کی شیشی اور پنکھا روانہ کیا ہے۔ شربت

کی بوتل بھی منگائی ہے۔ مل گئی تو جلو جیل پر دے آئے گی۔

لیلیٰ کے چیچک نکل آئی تھی۔ وہ اچھی ہیں۔ مگر حور بانو کے آج نکلنی شروع ہے۔ اجمیر شریف سے پرسوں واپس آیا۔ وہاں بھی تمہارے واسطے دعا کی۔ اور یہاں بھی دعا کرتا ہوں۔

احیار العلوم کی جو جلدیں تمہارے پاس ہیں ان میں روزہ کی بابت پورا بیان درج ہے۔ اس کو پڑھو۔

پاس انفاس کا شغل بہت ضروری ہے۔ اس کو ناغہ نہ کرنا۔

تیرہویں۔ چودھویں۔ پندرہویں تاریخ کے روزے بہت مفید ہیں۔ ان کو ایام بیض کہتے ہیں۔ اس سے تمہاری روح میں روشنی پیدا ہوگی۔

آٹھویں دن کھانا بھیجوں گا تسلی رکھو۔

---

۹ جون ۱۹۱۶ء دکن

پیارے۔ رہائی کی خبر سے خوشی ہوئی۔ میں احمد آباد نہیں جاؤں گا۔ صرف بمبئی کا ارادہ ہے۔ یہ البتہ ممکن ہے کہ بمبئی سے دہلی جاتے وقت احمد آباد لائن سے جاؤں۔ اور تم سب لوگ اسٹیشن پر مل لو۔ یہاں تمہارے سب پیر بھائی تم کو سلام کہتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں۔

۲۵ر اکتوبر ۱۹۱۶ء دہلی

پرمو جانم!

سلام۔ خط بلکہ خطوط ملے۔ میں اپنے بخار کی سالگرہ منا رہا تھا۔ اب کے ویسا سخت بیمار تو نہیں ہوا۔ تاہم ہوا۔ یہی وجہ خط نہ لکھنے کی ہوئی۔

کل حور بانو کا نکاح ہے۔ جہاں نسبت ٹھہری تھی، وہ لڑکا بہت چھوٹا تھا۔ اپنے

خاندان میں ایک دوسرا لڑکا لائق و ہونہار ہے۔ استحکام کے لئے اس سے نکاح کر دیا جائے گا۔ وداع پھر دو سال بعد

نکاح میں کسی قسم کا تکلف نہیں ہوگا۔ اور بُلاوا کسی کا نہیں گیا۔ آج بات قرار پائی اور کل نکاح ہے۔

ذوقی شاہ صاحب کو بھی بخار کے سبب خط نہ لکھ سکا۔ اب اچھا ہوں۔

۱۴ر شوال ۱۳۴۴ھ

دہلی

پرمو! آج صبح کی ڈاک میں تمہارے اور حسنی شاہ کے چار خط ملے۔ مگر مجھے تو کل ہی یہ خبر مل گئی تھی۔ اور میں نے تعزیت کا تار بھی علی میاں کو کل بھیجدیا تھا۔ لنگری شاہ کا واقعہ درحقیقت ایسا واقعہ ہے کہ میں باوجود افکار غم غمگین ہوا۔ حور بانو نے سنا تو ایک دفعہ ہی ہے ہے اُنھیں کیا ہو گیا تھا بول اُٹھی۔ کمرے میں ان کی تصویر کو اسی وقت دیکھا گیا۔ لوگ جمع تھے۔ سب نے افسوس کیا۔

ایک زمانہ تھا۔ پریمی جیل میں تھا۔ اور میں دونوں وقت اُس کی تصویر کمرے میں جا کر دیکھتا تھا۔ اور سب آنے والوں کو دکھایا کرتا۔ اس زمانہ میں عجب بیقراری دل کو تھی۔ اب وہ چُھٹ گیا تو مجھے پریمی کا خیال بھی نہیں آتا۔

یہی حال لنگری شاہ کا ہے۔ کل سے خبر نہیں کتنی بار اُن کی تصویر دیکھی گئی ہے۔ اور کتنی دفعہ اُن کا ذکر آیا۔ دو دفعہ کے یا شاید ایک ہی دفعہ کے سفر میں انھوں نے یہاں والوں کو بھی اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ سب کُڑھنے لگے۔ جب اُنھوں نے سنا۔

احمد آباد درحقیقت ایک عجیب شہر ہے۔ درگاہ کے سنگین دلوں پر کسی کا اثر ہوا۔ تو احمد آباد والوں کا ہوا۔ پریمی کے لئے کم سے کم دس بارہ عورتوں نے شکرانے کے روزے رکھے۔ نیازیں دلوائیں۔ نفل پڑھے۔ لنگری شاہ سے باہر کے لوگ واقف

ہیں۔ یا عورکے ذریعہ ہمارے گھر والے۔ مگر صدمہ سب کو ایسا ہوا گویا انکے عزیز کا واقعہ ہوا ہے
خدا کی شان۔ کل مجھے یہ خبر ملی۔ اور کل ہی چار کیس ہیضہ کے یہاں ہوئے۔ ہر جگہ سے میری
بلاوٹ تھی کہ دم کر جاؤ۔ تعویذ بھیجدئے۔ پانی بھیجدیا۔ سب اچھے ہیں۔ ضائع کوئی نہیں ہوا۔
اب تک۔ الحمد للّٰہ

میری عادت غم بڑھانیکی نہیں ہے۔ تم علی میاں اور ان کے گھر والوں کو میری
طرف سے تسلّی دینا۔ اور کہنا کہ عمر تو ان کی مرنے کی تھی مگر خوشی ہے کہ شہادت نصیب ہوئی۔
مستورات کو بھی تشفی دینا۔ سب پیر بھائیوں کا فرض ہے کہ علی میاں اور ان کے گھر
والوں سے ایسی ہمدردی کریں جیسی کہ میرے ساتھ وہ کرتے۔ کیونکہ لنگری شاہ کو میں اپنا
بڑا سمجھتا تھا۔ گو وہ اپنی محبت سے مجھکو بزرگ خیال کرتے تھے۔
زیادہ خیال اس کا ہے کہ علی میاں کو جو بیفکری تھی۔ اُس میں خلل آئیگا۔ اور
گھر کا بوجھ ان پر پڑے گا مگر ایک دن ایسے افکار سب کو پیش آیا کرتے ہیں۔
دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ سارے احمد آباد اور میرے احباب کو محفوظ رکھے۔

بنام سردار خاں صاحب نظامی جن کو حسنی شاہ خطاب دیا گیا تھا ساکن احمد آباد گجرات

حسنی شاہ پیارے! خط پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ساتھ خیریت کے آپکی اہلیہ صاحبہ کو فرزند نرینہ عطا
فرمائے۔ لڑکا ہو تو دیدار خاں نام رکھنا اور لڑکی ہو تو شاہ بانو۔
پریمی اگر نظامیہ پریس میں نہیں ہیں تو کچھ حرج نہیں۔ میں تم کو بھی پریمی سمجھتا ہوں۔
پریس کا ایسا کام کرنا کہ لفظ نظامیہ کی لاج رہے۔ حبی شاہ کی خیریت قربتی شاہ کے ذریعہ بھجوانا۔ والسلام

۷ر شوال ۱۳۳۳ھ دہلی

پیارے حسنی! دو روپے عید کے پہنچے۔ حور بانو کو صرف اطلاع دیدی۔ وہ فقیر آدمی
روپے کیا کریگی۔ ناپاک دنیا کو ہاتھ نہیں لگاتی۔ یہ چیز تو میرے مطلب کی ہے۔

۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

دہلی

اوہو۔ سردار خاں! تم دن دہاڑے ایسے خواب دیکھنے لگے۔ بھائی! چپکے رہو۔ یہ وقت ان خوابوں کے دیکھنے کا ہے۔ مگر کہنے کا نہیں۔ پانچ روز سے بیمار ہوں۔ بخار کے ہاتھوں لاچار ہوں۔ ایک بندہ اور بیشمار بخار۔ روٹی کا بخار۔ بیٹی کا بخار۔ دین کا بخار۔ دنیا کا بخار۔ اور تم سب گھر والوں کا بخار۔ طرح طرح کے بخار۔ اُس پر نزلہ کا بخار بھی مے۔ آئی۔ کم؟ کہے تو تمہیں بتاؤ۔ میرا جی اس سے بیزار ہو یا نہ ہو میڈیکل اسکول کی طرف جانا ہو تو میرے پیارے ڈاکٹر کا کان مروڑ دینا۔ اور پریمی پیار ایلے تو اُس کو منھ چڑا دینا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔ وعا سلام لکھوانے کی نہ حالت۔ نہ طاقت نہ فرصت۔ ہاں علی میاں سے سلام کہدینا۔ اور اُن کی معرفت اُس چپراسی سے جو قبرستان کا ممبر ہے۔

---

۸ جنوری ۱۹۱۶ء

دہلی

حسنی پیارے! پریمی کا خط ملفوف ہے۔ تم رضا شاہ سے بھی مشورہ کرلو۔ پریمی نے ایک ماہ کا لکھا ہے۔ کیونکہ اُن کو رہائی کی امید ہے مگر کل مجھ سے حکام دہلی نے صاف صاف کہدیا کہ ان کو رہائی نہیں مل سکتی۔ اب سب کوششیں بیکار ہیں۔ صرف یہ بات باقی ہے کہ نظربندی جیل میں نہ رہے۔ بلکہ احمدآباد دہلی کے کسی ایسے مقام میں ہو جو جیل سے باہر ہو۔

یہ اطلاع میں پریمی کو دینی مناسب نہیں جانتا۔ کیونکہ اُن کی دل شکنی ہوگی۔ تن بہ تقدیر صبر کرکے اب جیل سے باہر لانے کی فکر کرنی ہے۔ اور پریمی کے اہل وعیال کا گزارہ مانگنا ہے۔

میرے خیال میں اگر پریس کا خرچ آمدنی سے زیادہ ہو اور پریمی کی بتائی ہوئی

باتوں سے آمدنی کی توقع نہ ہو تو رضا شاہ سے مشورہ کرکے پریس بند کردو۔ خدا کوئی بہتر وقت لائے گا۔ اُس وقت پھر جاری کر دینا۔

پریمی کے گھر والوں کو اس مایوسی کی اطلاع نہ ہو تو اچھا ہے۔ غریب بیقرار ہو جائینگے کہہ دینا کہ خرچ کی ضرورت ہو تو بے تکلف مجھکو لکھیں۔ میں اپنی حیثیت کے موافق ہر خدمت کو حاضر ہوں۔

۲۶ صفر کو میرا عقد ہو گیا۔ مگر عقد کیا ہوا۔ اس کا حال نہ سنو۔ سب کو پریمی کا غم تھا۔ کوئی خوشی کی رسم نہ ہوئی۔ کسی کو مدعو نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ واحدی صاحب اور برادری کی مستورات کو بھی نہ بُلایا۔ ایک گھنٹہ میں نکاح و داع سب کچھ ہو گیا جو بانو بھی میرے پاس باہر کے زنانہ مکان میں آگئی ہیں۔

---

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ — دہلی

عزیزم حسنی شاہ! السلام علیکم۔ اجمیر شریف گیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے خط کے جواب میں دیر ہوئی۔

میں نے نظامیہ پریس کے مسئلہ کو بہت سوچا۔ آخر یہ رائے سمجھ میں آئی کہ ڈپو کو قائم رکھنا چاہیے تاکہ کتابیں نکلتی رہیں۔ اور فہرست چھپوا لینی ضروری ہے۔ کیونکہ اسی پر کتابوں کی بکری منحصر ہے۔ اور پریس کو بند کر دیا جائے۔

پریمی کا رہا ہونا لڑائی تک تو نظر آتا نہیں۔ پھر کیوں خرچ کی زیادتی کو قائم رکھو۔ ڈپو کے انتظام اور کتابوں کی فروخت کے لئے بدستور کام جاری رہے۔ صرف پریس بند کر دو۔ پہلے مجھکو یہ بتاؤ کہ پریس کا خرچ کتنا ہے۔

یہ خرچ تفصیل وار بتاؤ کہ کس کس مد میں کتنا کتنا خرچ ہوتا ہے۔ کتابوں کی فہرست بھی بھیجو۔ جس سے معلوم ہو کہ تمہارے پاس اسٹاک میں کتنی کتابیں موجود ہیں۔

یہ فہرست قلمی لکھکر بھیجو اور ان کی تعداد موجودہ اور قیمت بھی بتاؤ۔ یہ سب باتیں معلوم کرکے میں تم کو آخری رائے لکھوں گا۔

مصارف کی تفصیل میں سب ملازموں کی تنخواہیں بھی لکھنا اور آمدنی کا اوسط بھی بتانا۔

بلکہ بہتر تو یہ ہو گا کہ علی میاں صاحب قربتی شاہ یا کسی اور معتبر شخص کے پریس سپرد کرکے تم دوچار دن کے لئے دہلی آجاؤ۔ عرس میں بھی شرکت ہو جائے گی۔ اور یہ سب معاملے بھی طے ہو جائیں گے۔ پریمی سے بھی مل لینا۔ زبانی بات چیت اور ہے۔ لکھنا اور ہے۔

دیکھو اگر ڈپو اور پریس میں اتنی گنجائش نہیں ہے جو تمہارا خرچ سفر دہلی پورا کرسکے تو یہ صرفہ میں ادا کردوں گا۔ اس کا فکر نہ کرو۔

اور اگر تمہارا آنا انتظام پریس اور ڈپو کے لئے مضر ہو تو خیر لکھ کر بھیجدو۔

لنگری شاہ سے کہنا کہ آلات جرثقیل لگا دئے ہیں یا آپ کھنچے یا آلہ کو کھینچا۔

یکم مارچ ۱۹۱۶ء — دہلی

پیارے حسنی! سلام علیکم۔ تمہارے دونوں خط میں نے بہت غور سے دیکھے۔ جس میں پریس کی حالت درج تھی۔ اور کتابوں کی فہرست بھی تھی۔ میری رائے اس کو دیکھکر یہ ہوتی ہے کہ چند روز پریس کو اور جاری رکھو۔ مگر اسی طرح جس طرح تم نے لکھا ہے۔ یعنی تخفیف کردو۔ بڑا پریس بند کردو۔ زیادہ عملہ کو رضا دیدو۔ مختصر عملہ اور ایک چھوٹا پریس باقی رکھو۔ تاکہ نظامیہ نام جاری رہے۔

بیبن بو کی تنخواہ جاری رہنی چاہیئے۔ میں رضا میاں کو لکھوں گا۔ انہوں نے مجھکو بھی لکھا تھا کہ یہ تنخواہ بند کرنی چاہیئے۔ مگر میری رائے ہیں مرحوم کی وصیت

کے موافق ہم کو کام کرنا ضروری ہے۔ پانچ روپے کچھ چیز نہیں ہیں۔ خدا خزانۂ غیب سے برکت دیگا۔ لہذا ان کو ماہوار برابر دے جاؤ۔

الحمد للہ میری نسبت جو خطرے پیدا ہوئے تھے۔ دور ہوگئے۔ اب کچھ اندیشہ نہیں ہے۔

حسین بلال اچھی طرح ہے۔ میرے پاس مقیم ہے۔ اُس نے درخواست پریمی سے ملنے کی دی ہے۔ جواب آجائے اور ملاقات ہوجائے تو روانہ کردوں گا۔ لنگری شاہ کا فکر فضول ہے۔ کسی کا نام درج نہیں ہے۔ اور سرکار کے ہاں اندھیر نہیں ہے کہ ہر ایک آدمی کو پکڑے۔ پریمی کا معاملہ بھی یوں ہوا کہ رنگون میں کوئی پارٹی ان کے خلاف تھی۔ اُس کی شرارت سے سرکار کو شبہ ہوا۔ اور ان کو بے گناہ تکلیف اُٹھانی پڑی۔

پریمی کے لئے اُن کے گھر سے درخواست ہونی چاہیئے کہ ان کی نظر بندی جیل سے باہر احمد آباد یا کسی اور مقام پر ہو۔ اگر کلکٹر صاحب احمد آباد اس کو منظور کرلیں تو حکام دہلی کو کچھ عذر نہ ہوگا۔ وہاں اُس کی کوشش کراؤ۔ پریمی کے گھر میں سب کو دعا کہنا۔

---

۴ مارچ ۱۹۱۶ء دہلی

حسنی پیارے! سلام علیکم۔ حسین بلال آئے ہیں۔ افسوس ان کو پریمی سے ملنے کی اجازت نہ ملی۔ اس سے بہت غمگین ہیں۔ یہاں بہت بیقراری سے روتے تھے۔ میں نے سمجھایا۔ تسلی کی۔ تم بھی دلاسا دیتے رہنا۔ تقدیر کے آگے کسی کا زور نہیں چلتا۔ مجھے یقین ہے کہ پریمی بہت جلد رہا ہوں گے۔ کیونکہ امتحان کی حد ختم ہوگئی۔ میری طرف سے پریمی کے گھر جاکر سب عورتوں کو دعا کہنا اور تسلی رکھنے کی نصیحت کرنا۔ یہ

مصیبت کا وقت جلدی ختم ہو جائے گا۔

---

۱۲ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء

دہلی

حسنی پیارے! السلام علیکم۔ ماسٹر کی رائے مناسب ہے۔ زیادہ زور دینے کا موقع نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ خراب ہو گا۔ صبر اور خدا کی عدالت میں اپیل کرو۔ وہ انصاف کرے گا۔ اور مصیبت دور ہو گی۔ ہمارے پاس جب ایسی بڑی طاقت دار عدالت موجود ہے تو در در کی ٹھوکریں کیوں کھائیں۔ سب کو سلام۔

حسنی جی سردار بھائی چھاپ خانا والے۔

دو ٹوکرے میٹھے آموں کے پہنچے۔ حور ایک۔ ٹوکرے دو۔ شکریہ کہ میرے کھانے کی بھی اجازت تھی۔ مگر میں نے حور بانو کو بالفعل صرف دو آم دیئے ہیں۔ اور بڑا حصہ بستی میں تقسیم کر دیا۔ باقی جب اور پختہ ہو جائیں گے۔ تو ہم سب مل کر کھائیں گے میں ان آموں کا خاص شکریہ ادا کرتا۔ اگر یہ جانتا کہ تم شکریہ سے خوش ہو گے بس یہ کہتا ہوں۔ بہت دل جلے تھے۔ برف میں دبانے کے بعد بھی ان کے دل کی گرمی نہ گئی۔ اور اسی ادا نے مجھکو مسرور کیا کہ تمہارے آم بھی سینہ گرم ہیں۔ سب بھائیوں کو سلام

بنام سید محمد اشرف صاحب نظامی کشفی شاہ

۱۰ اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

دہلی

عزیزم محمد اشرف صاحب نظامی! السلام علیکم

تمہارے دو خط پہنچے۔ دوسرے خط میں جو تم نے اپنے خوابوں اور مشاہدات کا ذکر کیا ان سے جی خوش ہوا۔ مگر بھائی ہمارا طریقہ اسرار کو چھپانے کا ہے۔ فقیر دریاؤں اور

سمندروں کے پینے کے بعد بھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیتا کہ اُس کی پیاس بجھ گئی ہے۔ اس واسطے تم کو چاہیئے کہ جو کچھ مشاہدے ہوں اُن کو دل میں رکھو۔ اور رات دن اپنی ترقی کی کوشش کئے جاؤ۔

ایک دروازہ کو مضبوط پکڑ لو۔ وہیں سے سب کچھ مل جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہونہار ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے بڑے بڑے کام لے گا۔ مگر بڑا کام کرنے والا ہمیشہ ایک دُھن میں رہتا ہے۔ اپنی طاقت کو پراگندہ اور تقسیم نہیں ہونے دیتا۔ ہر مسلمان خادم کعبہ ہے۔ اس کے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم کو چاہیئے کہ خالی وقت میں تمام کائنات کے اور اپنی ذات کے اوپر غور کیا کرو۔ میں رنگون نہیں آسکتا۔ تمہیں جب فرصت ہو دہلی آؤ کہ میں بھی تم سے ملنے کا مشتاق ہوں۔

دہلی

۲۸ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ ہجری

اشرف فہم! سلامت باشید۔ آج میں تم کو خط لکھنے ہی کو تھا کہ پوسٹمین نے ڈاک لاکر دی۔ سب کے اوپر تمہارا خط تھا۔ اُس کو پڑھا اور جناب اکبر الہ آبادی کو جو آج کل میرے پاس حلقہ میں مقیم ہیں سنایا۔

بھائی! میں نے جو تم کو وہ خط لکھا تھا درحقیقت اپنی ڈیوٹی ادا کی تھی۔ کیونکہ میرا فرض ہے کہ اپنے سلسلہ والوں کو ان کے سلوک اور طریقت میں روکتا ٹوکتا رہوں تمہارا یہ بہت اچھا خیال ہے کہ جو لوگ خدمتِ دین میں عملی حصہ لیتے ہیں اُن کی قدردانی کرنی چاہیئے۔ مگر انسان منزل پر جب ہی پہنچتا ہے کہ ایک راستہ مضبوط پکڑے۔ خدا تک پہنچنے کے صدہا راستے ہیں۔ ہر طرف بھٹکنے والا راہ بھول جاتا ہے تم نے جس کا ہاتھ پکڑا ہے گو وہ بطورِ خود کچھ نہیں ہے۔ لیکن اُس کا خاندان اور طریقہ بہت بڑا ہے۔ بیشمار آدمی اس سلسلہ کے ذریعہ مقامِ مقصود تک پہنچے ہیں۔ اسواسطے تمکو

چاہیئے کہ دنیا میں جو چیز اچھی نظر آئے اُس کی تعریف کرکے فوراً اپنے خاندان کی جانب متوجہ ہو جاؤ۔ اور سمجھو کہ ہمارے ہاں بھی کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔

آج میں نے تم کو اشرفم یعنی میرے اشرف کے لفظ سے مخاطب کیا ہے۔ یہ خواہ مخواہ نہیں ہے۔ تم میں کچھ مشاہدہ کرکے لکھا ہے۔ لیکن تم کو چاہیئے کہ اپنے ارادے بلند رکھو۔ اور آخر تک یہی سمجھتے رہو کہ ابھی تم کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اور اس سے زیادہ حاصل کرنا چاہیئے۔ منزلِ سلوک کی کامیابی انجان رہنے میں ہے۔ یعنی جو یہ خیال کرنے لگے کہ مجھے کچھ آتا ہے۔ یا آگیا۔ وہ محروم رہ جاتا ہے۔ اور جو ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں آتا۔ اس لئے سیکھنا اور حاصل کرنا چاہیئے۔ اُسکو بہت کچھ آجاتا ہے۔

دین نرغہ میں نہیں ہے۔ دین والے نرغہ میں ہیں۔ اور اپنے اعمال کے سبب نرغہ میں ہیں۔ لوگوں کو اعمال درست کرنے کی نصیحت کرو۔ مگر مقدم اپنے نفس کی اصلاح ہے۔ اس میں ہر وقت مصروف رہو۔

آج سے تم کو چاہیئے کہ فرصت کا ایک گھنٹہ نکال کر کسی تخلیہ کے مقام میں خاموش بیٹھا کرو۔ اور خدا کی قدرت کا تصور کیا کرو۔ اس تصور کے وقت خواہ کیسا ہی کام پیش آئے۔ کسی سے بات نہ کرو۔

روزانہ زندگی میں بھی چاہیئے کہ بحث مباحثہ میں دخل نہ دو۔ ہر بات کو سوچ سمجھ کے زبان سے نکالو۔ اور اپنے خاندان چشتیہ نظامیہ کی معلومات حاصل کرتے رہو۔ تم سے وہیں رنگون برہما میں خدا کو بہت سے کام لینے ہیں۔ مجھے آج کل فرصت کم ہے۔ جب فرصت ملے گی۔ تم کو مفصّل خط لکھتا رہوں گا۔

بھائی کپڑے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہاری محبت چاہیئے۔ سردی میں تمہاری بانات کا کوٹ پہنا۔ کمبل اوڑھا۔ سوزنی بچھائی۔ لوگوں نے رشک کیا کہ اوروں کے تحفے میں نے دوسروں کو بانٹ دیئے۔ اور تمہارے ہدیے خود استعمال کئے۔

بہرحال اب اور کپڑے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اور کچھ نہ بھیجنا۔ فقط اپنے حالات بھیجنا تاکہ تم کو وہ بتا سکوں۔ جس کا بتانا میری ڈیوٹی ہے۔ روپے ابتک نہیں آئے۔ شاید کل آئیں۔ رسید بھیجوں گا۔ مکان بن رہا ہے۔ کام بڑا ہے۔ اور میری عادت مانگنے کی نہیں ہے۔ ورنہ اب تک روپیہ کا ڈھیر لگ جاتا۔ بہر حال خدا کا کام ہے۔ وہی پورا کرنے والا ہے۔

یکم رجب ۱۳۳۲ھ دہلی

عزیز محمد اشرف کشفی شاہ!

السلام علیکم۔ خط پہنچا۔ میں تم کو کشفی شاہ کا لقب دیتا ہوں۔ جو مکاشفے تم نے لکھے ہیں وہ سب سچے ہیں۔ مگر ابھی ان کو مخفی رکھو۔ اور وقتِ خاص کا انتظار کرو۔

سید شبیر شاہ نظامی کی بیعت سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں قبول کرتا ہوں۔ شجرہ ارسال ہے۔

دہلی میں گرمی زیادہ ہے۔ اس لئے اجمیر شریف نہ جا سکا۔ ظاہر پرستوں کو میلوں مجمعوں میں جانا ضروری ہے۔ مجھے نہ ظاہر کی خبر نہ باطن کی۔

---

۱۲ ستمبر ۱۹۱۴ء دہلی

پیارے کشفی شاہ! السلام علیکم

تمہارے بہت سے خط آئے ہیں۔ تمہیں کیا بتاؤں کہ کیوں جواب نہ لکھ سکا۔ خدا نے تم کو دل روشن دیا ہے۔ خود دیکھ سکتے ہو کہ قدرت آج کل مجھ سے کیا کیا کام لے رہی ہے۔ تم کہتے ہو کہ میں قلم کو حرکت دوں۔ ایک دوسری طاقت آواز دیتی ہے کہ خاموشی کی آواز میں راستہ ہے۔

رنگون میں جمے بیٹھے رہو۔ تمہاری وہاں بہت ضرورت ہے۔ ابرِ کرم ہو، سورج نکلے تو میں بھی وہاں آؤں گا۔ اور اپنے پیارے کو سینے سے لگاؤں گا۔ دیکھ اشرف یہ کوچہ بہت نازک ہے۔ جو نظر آئے اُس کو ظاہر نہ کر۔ سمندروں کو پی جا اور تشنہ بنا رہ تاکہ قدرت تیرے واسطے اور سمندر پیدا کرے۔

عزیز حشمت کے بھی کئی خط آئے۔ مگر اس کو بھی جواب نہ لکھ سکا۔ تم کو چاہیئے کہ رنگون میں جتنے تمہارے پیر بھائی ہیں مہینے میں اُن کو ایک جگہ جمع کیا کرو۔ مناسب تو یہ ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی سترہویں تاریخ کو فاتحہ دلا دیا کرو۔ اس تقریب سے سب جمع ہو جایا کریں گے۔

---

۲۴ ستمبر ۱۹۲۴ء

دہلی

عزیزم کشفی شاہ! تمہارے پچھلے خطوں میں حقہ کی نسبت ایک سوال تھا۔ لیکن جس دن یہ پڑھا کہ تم کو حقہ پلانا پڑتا ہے۔ میں نے خود پینا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے میں نہ پیتا تھا۔ جہاں تک ممکن ہو خدمتِ خلق بجا لاؤ۔ حقہ کے متعلق میرا یہ فتویٰ نہیں ہے کہ وہ جائز ہے۔ مگر دوسروں کی مدارات کا ثواب بہت اعلیٰ ہے۔ (اب میں نے حقہ پینا چھوڑ دیا ہے۔ سنہ ۱۹۱۷ء۔ حسن نظامی)

---

۲۷ شوال سنہ ۱۳۳۳ھ

دہلی

عزیزم کشفی شاہ! سلام علیکم

تمہارے بہت سے خطوط کے جواب کا مقروض ہوں۔ لیکن جب جسم خدا کے ہزاروں احسانوں کا قرضہ نہیں اُتارتا۔ تو روح تمہارا قرضہ جلدی کیوں ادا کرے۔

میں نے یہ فقرہ پڑھا کہ بابو ولی محمد صاحب کا دل خدا کی طرف مائل ہو جائے ان سے کہدینا کہ اگر میرے اختیار میں یہ ہوتا تو پہلے اپنے دل کو کرتا۔ میں تو کتابیں فروخت کرنے والا ایک دوکاندار ہوں۔ ان کو چاہیے کہ کسی اچھے اور لائق بزرگ کے ہاتھ پر بعیت کریں۔

۱۹ر جنوری سنہ ۱۹۱۶ء
دہلی

برادر روحانی! سلام علیکم۔ تمہارے کئی خط آئے جن سے خواب کی کیفیتیں معلوم ہوئیں۔ اور عزیز حشمت علی کا خواب بھی میں نے پڑھا۔

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ اپنی باطنی ترقی کو مخفی رکھنا چاہیے۔ کسی سے نہ کہو اور مجھ سے اس حالت میں کہو جبکہ میرے سامنے آؤ۔ یہ خطوط سنسر آفس میں دیکھے گئے ہوں گے۔ اس میں باطنی اسرار کا راز فاش ہوتا ہے۔ اور ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فقیر کو منزلِ سلوک درویشی حاصل نہیں ہوتی جبتک کہ وہ اپنے مشاہدات کو پوشیدہ نہ رکھے۔

دوسری جگہ ہے کفش بر سر کشف۔ یعنی کشف کے دعوے پر جوتی مارو۔ پس اگر تم کو کچھ نظر آیا کرے تو اس کو چھپایا کرو۔ اور خدا کے سامنے اور اس کے بندوں کے آگے خاکسار رہو۔ اور یہ سمجھو کہ یہ جو کچھ ہے سب اس کا فضل ہے۔

تمہارے خوابوں میں ایک بات قابلِ اعتراض ہے کہ تم حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ براق پر سوار ہوئے۔ یہ بے ادبی کا خواب ہے۔ اگر ایسا نظر آیا تو توبہ کرو۔ تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اس کی معافی مانگو خدا سے۔

میرے پیارے۔ فقیری کا کوچہ بڑا دشوار ہے۔ اس میں تم کو بڑی بڑی مشکلیں پیش آئیں گی۔ خلقت کی خدمت کرو۔ اور خاموشی اپنا شیوہ بناؤ۔

میں تم کو خلافت دوں گا۔ مگر اُس وقت کہ تم کو بالکل اس قابل دیکھ لوں۔
محنت کئے جاؤ۔ اور جو وظائف بتائے ہیں۔ ان پر عمل کرو۔ ابھی اس کا وقت
نہیں آیا۔ ابھی بہت سے مقامات طے ہونے ہیں۔

عزیز محمد جمیل کی بیعت قبول ہے۔ شجرہ روانہ کرتا ہوں۔ اسے اور بابو میران بخش
سے نماز کی تاکید کرنا۔ نماز بہت ضروری چیز ہے۔

درویش خانہ کی نسبت مارچ کا وعدہ معلوم ہوا۔ اچھا جب خدائے تعالیٰ
توفیق دے اس نیک کام میں مدد دینا۔

بزرگان برہما کے حالات لکھنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ ابھی تو تم اپنے حالات
کی درستی میں ہمہ تن مصروف رہو۔ یہ کام پھر کرنا ابھی نہیں۔

جو شخص تم سے دشمنی کرنا چاہتا ہے۔ خدا کے فضل سے نامراد رہے گا۔ فکر نہ کرو۔
دوسرا شجرہ محمد اکرام نظامی کا اس خط میں ملفوف ہے۔

بابو ولی محمد صاحب کے کام کے لئے دعا کی گئی۔ خدا نے چاہا تو اُن کے منشا
کے موافق مطلب حاصل ہوگا۔

عزیزم شمس الدین نظامی کے والد کی علالت سے فکر ہوا۔ حزب البحر پانی پر دم
کر کے پینے کو دو۔ اسی طرح جو بیمار آیا کرے اُس کو یہ پانی پڑھ کر دیدیا کرو کہ ہزار
تعویذوں سے زیادہ اس میں اثر ہے۔

عائشہ بی بی اور محمدی بی بی کو بھی حزب البحر کا پڑھا اور دم کیا ہوا پانی پلاؤ۔ خدا
ذہانت دے گا۔ اور رونا کم کر دے گا۔

عزیزم حشمت علی نظامی۔ عزیزم شمس الدین نظامی۔ بابو ولی محمد نظامی۔ حاجی رسول بخش
صاحب۔ محمد جمیل نظامی۔ محمد اکرام نظامی وغیرہ سب بھائیوں کو سلام مسنون کہنا۔
میرا عقد ہو گیا۔ حور بانو اب میرے پاس باہر کے مکان میں رہتی ہیں۔ اور تم سب کو

سلام کہتی ہیں۔ میری اس کڑی تحریر سے خفا نہ ہونا۔ بلکہ اس پر عمل کرنا کہ ہمیشہ ترقی نصیب ہو۔

---

۱۵ مارچ ۱۹۱۶ء دہلی

پیارے کشفی! سلام۔ خط ملا۔ افسوس ہوا۔ جو سخت الفاظ تم سے کہے گئے ایک دفعہ اُن پر اور صبر کر لو اور تائید غیب کا انتظار کرو۔ فقیر تو سننے کو پیدا ہوا ہے۔ اچھا بھی سنتا ہے۔ برا بھی سنتا ہے۔ یہ آواز غیر کی نہیں ہے۔ پرواہ نہ کرو۔ اور پھر آزمائش کے آگے اپنے تئیں ڈال دو۔

دعا میں مصروف ہوں۔ سب پیر بھائیوں کو سلام۔ ہندو صاحب کو جو تلقین کی اُس سے خوشی ہوئی۔

---

۱۳ اپریل ۱۹۱۶ء دہلی

عزیزم کشفی شاہ! اسلام علیکم۔ خط آیا۔ حال معلوم ہوا۔ خدا پرست ضبط کرتے ہیں۔ صبر کرتے ہیں۔ کسی سے ناراض نہیں ہوتے۔ دوسروں کو راضی کرتے ہیں تم بھی سب کے آگے جھکو۔ سب کو خوش رکھو۔ کوئی ناراض ہو جائے تو خود اُس کو منا لو۔ پیارے فقیری میں نفس کو ملیامیٹ کرنا پڑتا ہے۔ یہ آسان نہیں ہے۔ تمہاری اہلیہ کی صحت کے لئے دعا کی گئی۔ اللہ ان کو صحت دے۔ حور بانو کی انگوٹھی نہ بنواؤ۔ اس کے پاس انگوٹھیاں ہیں۔ سب سے ملاپ کر کے میرا جی خوش کرو یہی انگوٹھی ہے جس پر مہر سلیمانی ہے۔ میرے کشفی! خاک بنجا جب کچھ پلے پڑے گا۔

---

۲۴ مئی ۱۹۱۶ء دہلی

میں اسکو بالکل نہیں سمجھا کہ تم نے نوکری چھوڑ دی ہے۔ اور کام بالکل مفت کرتے ہو گوشہ نشینی اور ترک تعلقات فقیر کو ضروری ہے۔ مگر یہ وقت ایسا ہے کہ فقیر پر دنیا اور

دین دونوں کے کام کا بوجھ ہونا چاہئیے۔ میری رائے میں تم تنخواہ بھی لو اور کام کئے جاؤ۔
ابھی تو تم پر اور بہت سے بوجھ ڈالے جائیں گے۔ گھبراؤ نہیں۔ مردوں کی طرح ہمت بلند رکھو۔ تم کو چاہیئے کہ اپنے سب پیر بھائیوں کی خاک پا بنجاؤ۔ جو خدمت کرتا ہے وہی مخدوم بنتا ہے۔ ہم تو اپنے مریدوں کی جوتیاں تک اٹھا لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ راہِ مولا کی طلب میں ہم تک آتے ہیں۔
پریمی کو خدا کے فضل سے نجات مل گئی۔ سب کو مبارک ہو۔ برادر شمس الدین نظامی میراں بخش نظامی، فضل محمد نظامی۔ محمد اکرام نظامی، مولا بخش نظامی۔ ولی محمد نظامی اور سب بھائیوں کو دعا سلام کہنا۔ حور بانو سلام لکھواتی ہے۔ اور خواجہ بانو دعا۔

---

۲۸ رمضان ۱۳۴۲ھ

دہلی

عزیزم کشفی شاہ۔ سلام علیکم۔ آج کے خط سے حادثہ کی خبر معلوم ہوئی۔ تمہارا حافظ خدا ہے جو تم کو ہر ہلاکت ظاہری و باطنی سے بچائے گا۔ جس نے تم کو اس حادثہ ریل سے بچایا۔ وہی سب کا محافظ اور تمہارا نگراں ہے اور رہیگا۔

---

۱۲ شوال ۱۳۴۲ھ

دہلی

عزیزم کشفی شاہ۔ سلام علیکم!
اٹھارہ شوال کو تمہارے حصہ کا فیصلہ ہو گیا۔ مبارک ہو کہ تم مجاز ہو گئے۔ خلافت نامہ مع تمام ہدایات کے پرسوں تک روانہ کروں گا۔
آج میرا جی خراب ہے۔ درد سر۔ نزلہ کے سبب لکھ نہیں سکتا۔

بنام عزیزم مقبول احمد نظامی فطرتی ساکن سیوہارہ ضلع بجنور

۱۲ر مئی سنہ ۱۹۱۳ع دفتر اخبار توحید میرٹھ

بے صبر انسان گھبرا مت۔ جانے والی چیز کا خیال چھوڑ دے۔ وہ خود آ جائے گی قضا و قدر کے کارندے اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور تو کہتا ہے وہ کام ادھورا چھوڑ دیں۔ مجھکو اپنے پاس جانو۔ استقلال کو ہاتھ سے نہ دو۔ مشکلیں آسان ہوں گی۔ ظاہری تدبیر سے غفلت مناسب نہیں۔ مگر حزم و احتیاط کے ساتھ سورۂ فاتحہ کا عمل شروع کر دو۔

دست غیب کوئی صاحب لے گئے۔ ایک پرچہ اور بھیج دو۔ تاکہ ریویو کیا جائے۔

۹ر فروری سنہ ۱۹۱۵ع دہلی

کیوں صاحب! پیا نے نہ سلام۔ اس قدر چپ چاپ رہنے کا مطلب میں نہ شورا شوری چاہتا ہوں نہ یہ بے نمکی۔

یکم جون سنہ ۱۹۱۱ع بمبئی

رخصت۔ جاتا ہوں۔ خط تامس کک کی معرفت قاہرہ مصر میں لکھنا۔

۸ر جون سنہ ۱۹۱۲ع دہلی

عزیزم!

بیماری کی ترش مزاجی قابل ترس نہیں۔ ڈاکٹر نے پھیپھڑہ کی خرابی کی خبر سے وہم

زدہ کر دیا تھا۔ اب دوسرے ڈاکٹر نے تسلی دیدی۔
شملہ کا عزم ملتوی کر دیا۔ طبیعت سکون پر آتی چلی ہے۔ میری پہلی تحریر کا کچھ خیال نہ کرو۔

بنام عزیزم مسٹر رضا الحق عباسی نظامی خطاب یافتہ رضا شاہ

پرائیویٹ سکرٹری ریاست منگرول کاٹھیاواڑ

رضا شاہ پیارے!
پرائیویٹ سکرٹری ہوئے۔ جی خوش کیا۔ پرائیویٹ کا لفظ ہر حال میں پیارا ہے۔ لڑکی مبارک۔ لڑکا درکار ہے۔ جس کو پیارا بناؤں۔
دوارکا درشن کو آیا۔ تو منگرول میں آپ سے بھی ملوں گا۔
اوہو۔ دہلوی بیرسٹر صاحب دیوان ہیں بھائی میرا سلام لو۔

---

۸ راکتوبر ۱۹۱۳ء
میرٹھ

دانا راضی بامر اللہ۔ رضا شاہ بھائی۔ تمہارے خط کا مونوگرام تم سے اچھا ہے۔ پاس آتا ہے۔ جی میں اُمنگ اور تصورات عظیم پیدا کرتا ہے۔
تیسری بیوی کا اشارہ فقرہ ظرافت تھا۔ اقبال کا خط اُسی وقت آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ دو کر چکا تیسری کی تیاری ہے۔ میں نے تم کو بھی لکھدیا۔ ہاں دل سے دعا ہے کہ محبت برقرار رہے۔ دنیا میں اب سوائے اس کے اطمینان کہاں ہے کہ بیوی راضی میاں اور کلکٹر صاحب کہ حضرت اکبر نے یہی فرمایا ہے۔

قدرتی شاہ عجیب شخص ہیں۔ ان کے والد نے آدمی بھیجا تھا۔ شاید پریشانی
کے سبب پتہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ مستِ الست بنے ہوئے ہیں۔ اچھا ہے
یہ زندگی بھی خوب ہوتی ہے۔ بیعت کی خوب کہی۔ بھائی میں خود تمہارا مُرید ہوں
تمہارا شیفتہ ہوں۔

اکتوبر کے آخر میں یہ پروگرام مقرر کیا ہے۔ سیدھا بمبئی۔ وہاں سے براہ
جہاز منگرول (بشرطیکہ سمندر مطمئن ہو) وہاں سے راجکوٹ۔ وہاں سے احمد آباد
دو مہینے کا دورہ ہے۔ جنوری میں اپنا گھر ہوگا اور بندہ "امر اللہ"
حقدار شاہ کو دعا۔ اور اس بچہ سابق و نوجوان حال۔ صاحب قال یعنی
ابن جہانگیر میاں جس کو گھونگر والے گانا آتا ہے۔ ڈبل دعا۔
بے چینی مسلمین کا اشارہ خوب ہے۔ بھائی قرار کب تھا۔ کیمیا بنے گی۔ جبھی
پارہ ٹھہرے گا۔ دور باش مومن کو سلام۔ قدرتی شاہ اور نواب صاحب کو سلام۔

---

۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ دہلی

میری رضائی! لحاف کا موسم جا رہا ہے۔ رضائی کی ضرورت آ رہی ہے۔
تم تو کھنچتے ہو۔ مانگرول سے کہو وہ بھی۔ کھنچے۔ کیوں کر آؤں۔ سر کے بال زیادہ
بڑھ گئے ہیں۔ ولی عہد ماناودر کی آمد سے خوشی ہوئی۔ چیف صاحب کو تو مبارکباد
دے دی۔ جہانگیر میاں صاحب سے بھی کہہ دو۔ بھائی ان کی میرے دل میں
بڑی قدر ہے۔ پہلے ہی سے تھی۔ مگر اب کے تم نے اور بڑھا دی۔
پریمی عجیب شخص ہیں۔ میں چپ تھا تو بولتے تھے۔ بولتا ہوں تو چپ ہو گئے۔
ان سے کہو گجراتی اخباروں میں سنوسی کا ریویو کریں۔ آخر کس دن ان کی جولانیاں
کام آئیں گی۔

حسین کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ شرارت کی حد ہے۔ واحدی صاحب اچھے ہیں۔
میں خود بھی کچھ بہت بُرا نہیں۔ سب چھوٹے بڑوں کو سلام۔

۴۸۶

دہلی

امر اللہ پر راضی پیارے رضا شاہ! سلامت رہو۔
سنتا ہوں تمہارا اکلوتا بیٹا اللہ میاں نے لے لیا۔ اور تمہاری رہی سہی ظاہری امیدوں کو ملیا میٹ ہونا پڑا۔ جانتا ہوں کہ تم اور تمہاری اہلیہ اس غم میں بیقرار ہوں گے۔ مگر بھائی آدمی کو جب کہ اُس کا نام رضا بامر اللہ ہو۔ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے۔ میں نے خدا سے پوچھا تھا کہ کیوں جناب! آپ بندوں کے بچوں کو مار ڈالتے ہیں اور ترس نہیں کھاتے۔ ہنسکر بولے میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس واسطے اولاد والوں کی ممتا سے بے نیاز ہوں۔ مگر رضا الحق کے امتحانات ختم ہو گئے۔ اب میں اُن کے زخموں پر مرہم رکھوں گا۔ لہٰذا یہ خط جو دنیا والوں کی نگاہ میں ماتم نامہ اور ستانہ فقیر کے خیال میں نوید بشارت ہے۔ بھیجتا ہوں۔ اپنی اہلیہ کو سنا دینا۔ اور آئندہ کے لئے صبر و شکر اور توکل کا امیدوار بنانا۔ اب میں درگاہ میں مقیم ہوں۔ اور یہیں رہوں گا۔

قرآن و حدیث
پڑھنے کی آسانیاں

قرآن مجید کی آسان اور عام فہم تفسیر حضرت خواجہ حسن نظامی نے عام فہم تفسیر کے نام سے تیار کردی ہے جس کے تیس پارے چھپ کر شائع ہو گئے ہیں۔

اب ہر عورت مرد اور ہر مسلمان بچّہ کو قرآن مجید کا سمجھنا آسان ہو گیا کیونکہ یہ تفسیر بہت ہی آسان زبان میں لکھی گئی ہے جس کو عورتیں اور بچّے بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور تفسیر کے ساتھ عام فہم ترجمہ بھی ہے۔

حدیث شریف کی مشہور کتاب بخاری شریف کا اردو ترجمہ بھی خواجہ صاحب کر رہے ہیں جسکے پانچ پارے تیاّر ہو کر شائع ہو گئے ہیں۔

عام فہم تفسیر کے ایک پارہ کا ہدیہ آٹھ آنے ہے، اور قرآن مجید کی مکمّل تفسیر کا ہدیہ جو تین جلدوں میں مجلّد ہے۔ بارہ روپئے ہے ۔ اور بخاری شریف کے ایک پارہ کا ہدیہ ایک روپیہ مقرر ہوا ہے۔

ملنے کا پتہ :- کارکن حلقۂ مشائخ بکڈپو دہلی